خطوط قارئین ـــ ـــ

مکرمی و محترمی! السلام علیکم

دور جدید کا ''میثاق'' باقاعدہ زیر مطالعہ رہتا ہے۔ آپ جس محنت و جانفشانی اور سنجیدگی و معقولیت کے ساتھ پرچہ مرتب فرما رہے ہیں وہ لائق تحسین ہے۔

''نقض غزل'' میں آپ جن تاریخی حقائق کو اور جس مدلل طریقہ پر منظر عام پر لا رہے ہیں وہ آپ ہی کا حصہ ہے۔ اس کے ذریعے آپ ایک اہم فرض کی ادائیگی کے علاوہ دین و ملت کی عظیم خدمت انجام دے رہے ہیں ع

اللہ کرے زور قلم اور زیادہ!

جماعت اسلامی کا ایک خالص سیاسی جماعت میں تبدیل ہو جانا اس دور کا اہم ترین المیہ ہے۔ زندگی کے معتد حقائق، دین کی روشنی میں اور زور استدلال کی پوری قوت کے ساتھ ثابت کرنے کے بعد، سیاسی مصالح کے تحت ان کے بالکل الٹ باتیں کہی جانے لگی۔ اس سلسلے کی تیز رفتار پیش قدمی سے تو ایسا محسوس ہوتا ہے کہ مولانا مودودی اپنے ایک ایک اصول کا گلا گھونٹ دینے کی قسم کھائے بیٹھے ہیں۔

چوھدری محمد اکبر صاحب کا ''عنایت نامہ'' بھی عجیب تھا۔ لکھنا تو انہیں مولانا کو چاہئے تھا کہ حضرت! آپ کیا تھے اور کیا ہو گئے؟ یہ حضرات خلفاء راشدین تک پر ''تنقید'' اور ان کا ''جائزہ'' نہ صرف پسند کرتے ہیں بلکہ گلی گلی خود بھی لیتے پھرتے ہیں، مگر مودودی صاحب کا محاسبہ ہوتے ہی چراغ پا ہو جاتے ہیں۔ کیا یہ لوگ ان کو ''معصوم'' اور ''تنقید سے بالا تر'' سمجھتے ہیں؟ ان لوگوں کو جس غیرت و حمیت کا مظاہرہ اکابر صحابہ کی توہین و تنقیص دیکھ کر کرنا چاہئے تھا، اس کا مظاہرہ یہ حضرات مودودی صاحب پر تنقید کو پڑھ کر کرتے ہیں۔

میری ناقص رائے میں ان 'مقلدین' سے تعرض نہ کرنے کی پالیسی اقرب الی الصواب ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمارے ان دوستوں کو بھی حسب سابق دین حنیف کا صحیح تابعدار بننے کی توفیق عطا فرمائے اور سیاست بازی کے واضح اثرات بد سے عبرت حاصل کرنے کی ہمت سے نوازے۔ آمین ــ والسلام

خیر اندیش

ارشاد احمد علوی بی۔اے

معارف اسلامیہ، امانت کاوٹی، رحیم یار خاں

☐ اس جگہ سرخ نشان کا مطلب یہ ہے کہ اس شمارے کے ساتھ آپ کا زرمبادلہ ختم ہو چکا ہے۔ آئندہ کے لئے

- ★ سالانہ زرمبادلہ مبلغ ساڑھے سات روپے بذریعہ منی آرڈر ارسال فرمادیں ــ یا
- ★ اگر آپ کسی وجہ سے خریداری جاری رکھنا نہ چاہیں تو ہمیں مطلع فرمائیں ـــــــــــ ورنہ
- ★ آئندہ شمارہ آپ کو سالانہ زرمبادلہ اور محصولڈاک کی مالیت کا وی۔پی ارسال ہوگا اور اس کو وصول کرنے کے آپ اخلاقاً ذمہ دار ہوں گے۔

وقد اخذ میثاقکم ان کنتم مؤمنین

ماہنامہ

میثاق

لاہور

زیر سرپرستی
مولانا امین احسن اصلاحی

★

مدیر مسئول
اسرار احمد

★

جلد ۱۲ — فروری ۱۹۶۷ء — شمارہ ۲

فہرست

تذکرہ و تبصرہ[1] — اسرار احمد — ۲

تدبر قرآن — مولانا امین احسن اصلاحی

- مقدمہ قسط [illegible] (آخری) — ۸
- تفسیر سورۂ آل عمران [illegible] (آخری) — ۱۹

افادات فراہیؒ

- مصائب و تکالیف کا سرچشمہ — خالد مسعود — ۳۱

مقالات

- رسول اللہ کا منصب (۳) — مولانا ضیاء الدین اصلاحی — ۳۵

تحریک جماعت اسلامی (۳) — اسرار احمد

- نقض غزل قسط [illegible] — ۴۷

خط کتابت اور ترسیل زر کا پتہ

دارالاشاعت الاسلامیہ بالمقابل ڈاکخانہ کرشن نگر لاہور۔

[1] پہلے آخری صفحہ ملاحظہ فرمائیں۔

تدبر قرآن

امین احسن اصلاحی

مقدّمہ

★ ——— (۵)

قرآن کے طالبوں کے لیے چند ہدایات

یہاں تک میں نے فہم قرآن کے جن خارجی و داخلی شرائط کا ذکر کیا ہے یہ سب باتیں علمی و فنی نوعیت کی ہیں۔ میں نے خود ان کو ملحوظ رکھا ہے اور میرا خیال یہ ہے کہ انھیں ملحوظ رکھے بغیر کوئی شخص قرآن سے صحیح استفادہ نہیں کر سکتا لیکن ان کی حیثیت بہر حال وسائل کار اور اسلحہ کی سی ہے۔ جس طرح اسلحہ جنگ کے لیے ضروری ہے اسی طرح یہ وسائل فہم قرآن کے لیے ناگزیر ہیں۔ مگر معلوم ہے کہ جنگ کے لیے صرف ہتھیار ہی کافی نہیں ہوتے بلکہ اس کی فتح و شکست میں اصلی عامل کی حیثیت دل کو ہے۔ اگر آدمی کے سینے میں مضبوط اور بہادر دل نہ ہو تو اس کو ہزار اسلحے سے لیس کر دیجیے لیکن وہ کامیاب لڑائی نہیں لڑ سکتا۔

بر مخنث سلاح جنگ چہ سود!

اسی طرح فہم قرآن کے کام میں ان شرائط کی نگہداشت ہر چند ضروری ہے لیکن ان شرائط کی نگہداشت سے زیادہ ضروری یہ ہے کہ آدمی اپنے دل کے رُخ کو صحیح رکھے۔ اگر دل کا رخ صحیح نہ ہو تو ہر چیز بالکل بے سود ہو کے رہ جاتی ہے۔ اب میں چند باتیں دل کے رُخ کو صحیح رکھنے کے لیے عرض کرتا ہوں۔

نیت کی پاکیزگی

اس کے لیے سب سے پہلی چیز نیت کی پاکیزگی ہے۔ نیت کی پاکیزگی سے میرا مطلب یہ ہے کہ آدمی قرآن مجید کو صرف طلب ہدایت کے لیے پڑھے، کسی اور غرض کو سامنے رکھ کے نہ پڑھے۔ اگر طلب ہدایت کے سوا آدمی کے سامنے کوئی اور غرض ہو گی تو وہ نہ صرف قرآن کے فیض ہی سے محروم رہے گا بلکہ اندیشہ اس بات کا بھی ہے کہ قرآن سے جتنا دور وہ اب تک رہا ہے اس سے بھی کچھ زیادہ دور ہٹ جائے۔ اگر آدمی قرآن

پر اس لیے خامہ فرسائی کرے کہ لوگ اسے مفسرِ قرآن سمجھنے لگیں اور وہ کوئی تفسیر لکھ کر جلد سے جلد شہرت اور نفع حاصل کر سکے تو ممکن ہے اس کی یہ غرض حاصل ہو جائے لیکن قرآن کے علم سے وہ محروم ہی رہے گا۔ اسی طرح اگر آدمی کے کچھ اپنے نظریات ہوں اور وہ قرآن کی طرف اس لیے رجوع کرے کہ اس کے ان نظریات کے لیے قرآن سے کچھ دلائل ہاتھ آ جائیں تو ممکن ہے وہ قرآن سے کچھ الٹی سیدھی دلیلیں گھڑنے میں کامیاب ہو جائے لیکن ساتھ ہی وہ اپنی اس حرکت کے سبب سے اپنے اوپر قرآن کا دروازہ بالکل بند کر لے گا۔

قرآن مجید کو اللہ تعالیٰ نے ہدایت کا صحیفہ بنا کر اتارا ہے اور ہر آدمی کے اندر طلب ہدایت کا داعیہ ودیعت فرمایا ہے۔ اگر اس داعیے کے تحت آدمی قرآن مجید کی طرف متوجہ ہوتا ہے تو وہ بقدرِ کوشش اور بقدرِ توفیق الٰہی اس سے فیض پاتا ہے۔ اور اگر اس داعیہ کے سوا کسی اور داعیہ کی تحریک سے، کسی حقیر مقصد کے لیے وہ قرآن کو استعمال کرنا چاہتا ہے تو لِكُلِّ امْرِئٍ مَّا نَوٰى کے اصول کے مطابق وہ وہی چیز پاتا ہے جس کا وہ طالب ہوتا ہے۔ قرآن مجید کی اسی خصوصیت کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے اس کی تعریف یہ فرمائی ہے کہ يُضِلُّ بِهٖ كَثِيْرًا وَّيَهْدِيْ بِهٖ كَثِيْرًا (اللہ اس کے ذریعہ سے بہتوں کو گمراہ کرتا ہے اور بہتوں کو ہدایت دیتا ہے) اور اس کے بعد اس ہدایت و ضلالت کا ضابطہ بھی بیان فرما دیا کہ وَمَا يُضِلُّ بِهٖٓ اِلَّا الْفٰسِقِيْنَ (اس کے ذریعے سے نہیں گمراہ کرتا مگر انھی لوگوں کو جو نافرمان ہوتے ہیں) یعنی جو لوگ فطرت کی سیدھی راہ سے ہٹ کر چلتے ہیں اور ہدایت سے بھی ضلالت ہی حاصل کرنا چاہتے ہیں اللہ تعالیٰ ان کو وہی چیز دیتا ہے جس کے وہ بھوکے ہوتے ہیں۔ اگر ایک شخص کعبہ جا کر بھی بتوں ہی کی پرستش کرنا چاہتا ہے تو وہ ہرگز اس بات کا سزاوار نہیں ہے کہ وہ توحید کی لذت سے آشنا ہو۔ اگر کوئی شخص پھولوں کے اندر سے بھی کانٹے ہی جمع کرنا چاہتا ہے تو وہ ہرگز اس بات کا مستحق نہیں ہے کہ اس کو پھولوں کی خوشبو نصیب ہو۔ جو شخص اپنے فسادِ طبیعت کے سبب سے علاج کو بھی بیماری بنا لیتا ہے وہ اسی لائق ہے کہ شفا حاصل ہونے کے بجائے اس کی بیماری ہی میں اضافہ ہو۔ اسی حقیقت کی طرف قرآن حکیم نے ان لفظوں میں اشارہ فرمایا ہے۔

اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ اشْتَرَوُا الضَّلٰلَةَ بِالْهُدٰى فَمَا رَبِحَتْ
یہی لوگ ہیں جنھوں نے ہدایت کے بدلے گمراہی کو اختیار کیا تو ان کی یہ تجارت

تِّجَارَتُهُمْ وَمَا كَانُوا مُهْتَدِينَ۔ (البقرۃ ۲ - ۱۶)

ان کے لیے نفع بخش نہ ہوئی اور وہ ہدایت پانے والے نہ بنے۔

قرآن کو ایک برتر کلام مانا جائے

دوسری چیز یہ ہے کہ قرآن مجید کو ایک اعلیٰ اور برتر کلام مان کر اس پر غور کرنے اور اس کو سمجھنے کی کوشش کی جائے۔ اگر دل میں قرآن مجید کی عظمت و اہمیت نہ ہو تو آدمی اس کے سمجھنے اور اس کے حقائق و معارف دریافت کرنے پر وہ محنت صرف نہیں کر سکتا جو اس کے خزائن حکمت سے مستفید ہونے کے لیے ضروری ہے۔ اگر کسی رقبہ زمین کے متعلق یہ علم ہو کہ وہاں سے سونا نکلتا رہا ہے اور کسی زمانہ میں اس سے کافی سونا نکل چکا ہے تو توقع یہی کی جاتی ہے کہ اگر کھدائی کی جائے تو یہاں سے سونا ہی نکلے گا اور پھر اس کی اسی حیثیت کو پیش نظر رکھ کر اس سے فائدہ اٹھانے کا سروسامان کیا جاتا ہے اور اس پر اسی اعتبار سے محنت کی جاتی ہے۔ لیکن ایک معدن کو اگر یہ سمجھ لیا جائے کہ یہ ایک گھورا ہے یا یہ کہ اگر یہاں محنت صرف کی جائے تو زیادہ سے زیادہ یہاں سے کوئلہ یا چونا فراہم ہو سکے گا تو اس پر یا تو کوئی سرے سے اپنی محنت ہی ضائع کرنا پسند نہیں کرے گا اور اگر کرے گا تو صرف اس حد تک جس حد تک اس کو اس سے فائدہ پہنچنے کی توقع ہوگی۔

بظاہر یہ بات بعض لوگوں کو کچھ عجیب سی معلوم ہوگی کہ ایک کتاب کے متعلق اس کے سمجھنے سے پہلے ہی یہ حسن ظن قائم کر لیا جائے کہ وہ نہایت ہی عظیم اور برتر کتاب ہے۔ لیکن غور کیجیے تو قرآن کے متعلق یہ پیشگی حسن ظن کوئی عجیب بات نہیں ہے۔ قرآن مجید اپنے پیچھے ایک عظیم تاریخ رکھتا ہے۔ کوئی شخص اس کتاب پر ایمان رکھتا ہو یا نہ رکھتا ہو لیکن اس حقیقت سے وہ انکار نہیں کر سکتا کہ جتنا بڑا انقلاب دنیا میں اس کتاب نے برپا کیا ہے اتنا بڑا انقلاب کسی کتاب نے بھی نہیں برپا کیا۔ اس نے دنیا کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک انسانی زندگی کے ہر گوشے کو نہایت گہرے طور پر متاثر کیا ہے۔ اس نے لوگوں کے سوچنے کے انداز بدل ڈالے، افکار و نظریات بدل ڈالے، تہذیب و تمدن بدل ڈالے، آئین و قانون بدل ڈالے، مذاہب و ادیان بدل ڈالے۔ اتنی ہمہ گیر و عالم گیر تبدیلیاں لانے والی کتاب کسی شخص کے نزدیک اچھی بھی ہو سکتی ہے، بری بھی لیکن کسی کے نزدیک بھی غیر اہم نہیں ہو سکتی۔ ہر انسان جو زندگی کے مسائل پر غور کرتا ہے، ان کو بے پروائی کے ساتھ

نظر انداز کرنے کا عادی نہیں ہے، وہ اس کتاب کو ہرگز نظر انداز نہیں کر سکتا۔ وہ یہ ضرور جاننا چاہے گا کہ اس کتاب کے اندر وہ کیا چیز چھپی ہوئی ہے جس کے ذریعے سے اس نے اس دنیا کی کایا پلٹ دی؟ وہ یہ ضرور سمجھنا چاہے گا کہ آخر اس میں وہ کیا جادو پوشیدہ ہے کہ عربوں کی قوم، جس کو اونٹ چرانے کے سوا اور کسی بات کا بھی سلیقہ نہیں تھا، اس کو پڑھ کر دفعتہً شتربانی کے درجے سے ترقی کر کے جہانبانی کے مرتبے پر پہنچ گئی؟ وہ یہ ضرور دریافت کرنا چاہے گا کہ آخر اس کے اندر وہ کیا حکمت کا خزانہ بند ہے کہ جو قوم زیادہ سے زیادہ امرؤ القیس اور زہیر کے درجے کے آدمی مشکل سے پیدا کرتی تھی اس کے اندر ابوبکر صدیقؓ اور عمر فاروقؓ کے مرتبے کے لوگ پیدا ہونے لگے؟

پھر یہ بات بھی ہے کہ دنیا کی آبادی کا ایک عظیم حصہ اس کو صرف ایک کتاب ہی نہیں مانتا بلکہ آسمانی اور خدائی کتاب اور لوح محفوظ سے اترا ہوا کلام مانتا ہے۔ اس کو ایک ایسا معجز کلام مانتا ہے جس کی نظیر نہ انسان پیش کر سکتے نہ جنات۔ ایک ایسا کلام جس کے معانی و مطالب کے متعلق یہ احساسات اور یہ شہادتیں موجود ہوں بہرحال ایک اہمیت رکھنے والا کلام ہے اور آدمی اس کو سمجھنے کا صحیح حق اسی صورت میں ادا کر سکتا ہے جب وہ اس کی اس عظمت و اہمیت کو سامنے رکھ کر اس پر غور کرے۔ اگر یہ اہمیت اس کے سامنے نہ ہو تو ممکن نہیں ہے کہ آدمی کا ذہن اس کو اس اہتمام کا مستحق سمجھے جس اہتمام کا وہ فی الواقع مستحق ہے۔

یہ تنبیہ میں نے اس لیے ضروری سمجھی ہے کہ اس زمانے میں لوگوں کے اندر قرآن مجید کے متعلق ایسی غلط فہمیاں موجود ہیں جن کے ہوتے ہوئے ممکن نہیں ہے کہ اس کو اس اعتنا و اہتمام کا مستحق سمجھا جائے جو اس سے حقیقی استفادے کے لیے ضروری ہے۔ یہ غلط فہمیاں قرآن کے ماننے والوں اور اس کے منکروں دونوں کے اندر موجود ہیں۔

جو اس کے منکر ہیں وہ اس بات کا تو ایک حد تک اعتراف کرتے ہیں کہ ایک خاص دور میں اس کتاب کے ذریعے سے کچھ اصلاحات واقع ہوئیں۔ لیکن ان کے خیال میں اب وہ زمانہ گزر چکا۔ عرب کے بدوؤں کے لیے، جن کے مسائل سیدھے سادے تھے، یہ کتاب مفید ہو سکتی تھی، لیکن موجودہ زمانے کے الجھے ہوئے مسائل کو سلجھانے کے لیے یہ کتاب کافی نہیں۔ جو اس کے ماننے والے ہیں ان میں سے بہت سے لوگ اس کو محض حرام و حلال کے

بتلانے کا ایک فقہی ضابطہ سمجھتے ہیں۔ چنانچہ فقہ کے احکام علیحدہ مرتب ہو جانے کے بعد ان کی نگاہوں میں اگر اس کی کوئی اہمیت باقی رہ گئی ہے تو صرف تبرک کے نقطۂ نظر سے باقی رہ گئی ہے۔ بہت سے لوگ اس کو بس متبرک کلمات اور دعاؤں کا مجموعہ سمجھتے ہیں جن کا ورد تو ضروری ہے لیکن وہ اس کو غور و فکر کا محل نہیں سمجھتے۔ بہت سے لوگ اس کو نزع کی سختیوں کو دور کرنے یا ایصالِ ثواب کی کتاب سمجھتے ہیں اور جب بھی وہ اس کی طرف متوجہ ہوتے ہیں اسی قسم کی کسی غرض کے لیے متوجہ ہوتے ہیں۔ بہت سے لوگ اس کو دفعِ آفات و بلیات کا تعویذ سمجھتے ہیں اور ان کی ساری دلچسپی اس کے ساتھ بس اسی پہلو سے ہوتی ہے ـــــ اس طرح کی غلط فہمیوں میں پڑے ہوئے مسلمان ناممکن ہے کہ قرآن حکیم سے وہ فائدہ اٹھا سکیں جس کے لیے فی الحقیقت وہ نازل ہوا ہے۔ ان لوگوں کی مثال بالکل ایسی ہے کہ ان کو ایک توپ دی گئی کہ وہ اس کے ذریعے سے شیطان کے قلعے مسمار کریں لیکن وہ اس کو مچھر مارنے کی مشین سمجھ بیٹھے!

قرآن کے تقاضوں کے مطابق بدلنے کا عزم

قرآن حکیم سے صحیح استفادے کے لیے تیسری ضروری چیز یہ ہے کہ آدمی کے اندر، قرآن مجید کے تقاضوں کے مطابق، اپنے ظاہر و باطن کو بدلنے کا مضبوط ارادہ موجود ہو۔ ایک شخص جب قرآن مجید کو گہری نگاہ سے پڑھتا ہے تو وہ ہر قدم پر یہ محسوس کرتا ہے کہ قرآن کے تقاضے اور مطالبے اس کی اپنی خواہشوں اور چاہتوں سے بالکل مختلف ہیں۔ وہ دیکھتا ہے کہ اس کے تصورات و نظریات بھی قرآن سے بیشتر الگ ہیں اور اس کے معاملات و تعلقات بھی قرآن کے مقرر کردہ حدود سے ہٹے ہوئے ہیں۔ وہ اپنے باطن کو بھی قرآن سے دور پاتا ہے اور اپنے ظاہر کو بھی اس سے بالکل منحرف دیکھتا ہے۔ اس فرق و اختلاف کو محسوس کر کے ایک صاحبِ عزم اور حق طلب آدمی تو یہ فیصلہ کرتا ہے کہ خواہ کچھ ہو میں اپنے آپ کو تا حدِ امکان قرآن کے مطالبات کے مطابق بنانے کی کوشش کروں گا۔ وہ ہر قسم کی قربانیاں کر کے، ہر طرح کے مصائب جھیل کر، ہر نوع کی ناگواریاں برداشت کر کے اپنے آپ کو قرآن کے مطابق بنانے کی کوشش کرتا ہے اور اپنی نیت کے مطابق اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کی توفیق پاتا ہے۔ لیکن جو شخص صاحبِ عزم نہیں ہوتا وہ اس خلیج کو پاٹنے کی ہمت نہیں کرتا جو وہ اپنے اور قرآن کے درمیان حائل پاتا ہے۔ وہ یہ محسوس کرتا ہے کہ اگر میں اپنے عقائد و تصورات کو قرآن کے مطابق بنانے

کی کوشش کروں تو مجھے ذہنی اور فکری اعتبار سے نیا جنم لینا پڑے گا۔ اسے یہ نظر آتا ہے کہ اگر میں اپنے اعمال و اخلاق کو قرآن کے سانچے میں ڈھالنے کی کوشش کروں تو میرا اپنا ماحول میرے لیے بالکل اجنبی بن کے رہ جائے گا۔ اسے یہ اندیشہ ہوتا ہے کہ اگر میں اپنے آپ کو ان مقاصد کی تکمیل میں سرگرم کروں جن کا مطالبہ مجھ سے قرآن کر رہا ہے تو میں جن فوائد اور جن لذات سے متمتع ہو رہا ہوں ان سے متمتع ہونا تو الگ رہا عجب نہیں کہ جیل اور پھانسی کی سزاؤں سے دوچار ہونا پڑے۔ وہ یہ دیکھتا ہے کہ اگر میں اپنے وسائلِ معاش کو قرآن کے ضابطۂ حرام و حلال کی کسوٹی پر پرکھوں تو آج جو عیش مجھے حاصل ہے اس سے محروم ہو کر شاید اپنی نانِ شبینہ کے لیے بھی فکر مند ہونا پڑے۔ ان خطروں کے مقابل ڈٹ جانا اور ان سے مقابلے کے لیے کمر ہمت باندھ لینا ہر شخص کا کام نہیں ہے، صرف مردانِ کار ہی ان گھاٹیوں کو پار کر سکتے ہیں۔ کمزور ارادے اور پست حوصلے کے لوگ یہیں سے اپنے رُخ بدل لیتے ہیں۔ بعض، جو اپنی کمزوریوں پر زیادہ پردہ ڈالنے کے خواہشمند نہیں ہوتے، وہ تو یہ کہتے ہوئے اپنی خواہشوں کے پیچھے چل کھڑے ہوتے ہیں کہ قرآن مجید کا راستہ ہے تو بالکل صحیح لیکن اس پر ہمارے لیے چلنا نہایت مشکل ہے اس لیے ہم اسی راستے پر چلتے رہیں گے جس پر چلتے آئے ہیں۔ لیکن جو لوگ اپنی کمزوریوں کو عزیمت اور اپنے نفاق کو ایمان کے روپ میں پیش کرنے کا شوق رکھتے ہیں، وہ اپنا یہ شوق مختلف تدبیروں سے پورا کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ بعض اضطرار و مجبوری کے بہانوں سے اپنے لیے ناجائز کو جائز اور حرام کو حلال بناتے ہیں۔ بعض جھوٹی اور باطل تاویلات کے ذریعے سے باطل پر حق کا ملمع چڑھاتے ہیں۔ بعض وقت کے مصالح اور حکمتِ عملی کے تقاضوں کی آڑ تلاش کرتے ہیں۔ بعض کتابِ الٰہی میں اس قسم کی تحریفیں کرنے کی کوشش کرتے ہیں جس قسم کی تحریفوں کے مرتکب یہود اور نصاریٰ ہوئے ہیں۔ بعض کفر و ایمان کے بیچ سے ایک راہ نکالنے کی کوشش کرتے ہیں، قرآن کے جس حصے کو اپنی خواہشوں کے مطابق پاتے ہیں اس کو تو لے لیتے ہیں اور جس حصے کو اپنی خواہشوں کے مطابق نہیں پاتے اس کو نظر انداز کر دیتے ہیں۔

یہ ساری راہیں شیطان کی نکالی ہوئی ہیں۔ ان میں سے جس راہ کو بھی آدمی اختیار کرے گا وہ اس کو سیدھا ہلاکت کے گڑھے کی طرف لے جائے گی۔ کامیابی اور فلاح کی راہ صرف یہ ہے کہ آدمی قرآن کے سانچے میں اپنے آپ کو ڈھالنے کی ہمت کرے اور اس کے لیے ہر قربانی پر آمادہ ہو جائے۔ کچھ عرصے تک اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کے اس ارادے کی آزمائش ہوتی ہے۔ اگر

آدمی اس آزمائش میں اپنے آپ کو مضبوط ثابت کرنے کی کوشش کرتا ہے تو پھر اس کے لیے کامرانی کی راہیں کھلنی شروع ہو جاتی ہیں۔ اگر ایک دروازہ بند ہوتا ہے تو خدا اس کے لیے دوسرا دروازہ کھول دیتا ہے۔ اگر ایک ماحول سے وہ پھینکا جاتا ہے تو دوسرا ماحول اس کے خیر مقدم کے لیے آگے بڑھتا ہے۔ اگر ایک زمین اس کو پناہ دینے سے انکار کر دیتی ہے تو دوسری سرزمین اس کے لیے اپنی آغوش کھول دیتی ہے۔ اسی حقیقت کی طرف قرآن حکیم نے ان الفاظ میں اشارہ فرمایا ہے۔

وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا وَإِنَّ اللّٰهَ لَمَعَ الْمُحْسِنِيْنَ	اور جو ہماری راہ میں جد و جہد کریں گے ہم ضرور ان پر اپنی راہیں کھولیں گے اور اللہ خوب کاروں کے ساتھ ہے۔
(عنکبوت - ۶۹)	

تدبر

قرآن حکیم سے استفادے کے لیے چوتھی شرط تدبر ہے۔ اس شرط کا ذکر خود قرآن مجید نے بار بار کیا ہے۔ اَفَلَا يَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ اَمْ عَلٰى قُلُوْبٍ اَقْفَالُهَا (کیا یہ لوگ قرآن پر غور نہیں کرتے یا دلوں پر تالے چڑھے ہوئے ہیں) صحابہ رضی اللہ عنہم جو قرآن کے مخاطب اول تھے وہ قرآن کو برابر تدبر کے ساتھ پڑھتے تھے اور جو لوگ جتنا ہی تدبر کرتے تھے وہ اتنے ہی قرآن کے فہم میں ممتاز تھے۔ بعض صحابہؓ نے خود اپنے بارے میں یہ شہادت دی ہے کہ انھوں نے سورۂ بقرہ پر پورے آٹھ سال صرف کیے۔ صحابہؓ نے قرآن مجید کے مطالعے کے لیے حلقے بھی قائم کیے تھے جن میں اہل ذوق حضرات اکٹھے ہو کر اجتماعی مطالعہ کرتے تھے تاکہ ایک دوسرے کے فکر و تدبر سے استفادہ کر سکیں۔ اس طرح کے قرآنی حلقوں سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو خاص دلچسپی تھی اور روایات سے پتہ چلتا ہے کہ آپ فکر کے ان حلقوں کو ذکر کے حلقوں پر بھی ترجیح دیتے تھے۔ بعد میں خلفائے راشدین، خصوصاً حضرت عمرؓ، اس قسم کے حلقوں اور قرآن مجید کے ماہرین سے نہایت گہری دلچسپی لیتے رہے۔ حضرت ابن عباسؓ کی حوصلہ افزائی جن جن طریقوں سے حضرت عمرؓ نے فرمائی ہے اس کو بیان کروں تو ایک مستقل داستان بن جائے[1]۔

---

[1] جن لوگوں کو ان باتوں کے حوالے مطلوب ہوں وہ میری کتاب تدبر قرآن پڑھیں۔ اس کے علاوہ حضرت ابن عباسؓ پر بھی میرا ایک مضمون (ملاحظہ ہو میثاق جلد ۲، عدد نمبر ۱، ۲، مضمون بہ عنوان عہد صحابہؓ کے سب سے کم سن مفسر قرآن) ہے جس میں میں نے دکھایا ہے کہ حضرت عمرؓ نے قرآن کے تدبر کے سلسلے میں کس طرح ان کی حوصلہ افزائی فرمائی۔

محض تبرک کے طور پر تلاوت کر لینا اور معانی کی طرف دھیان نہ کرنا حضرات صحابہؓ کا طریقہ نہیں ہے۔ یہ طریقہ تو اس وقت سے رائج ہوا ہے جب لوگوں نے قرآن مجید کو ایک صحیفۂ ہدایت کے بجائے محض حصول برکت کی ایک کتاب سمجھنا شروع کر دیا۔ جب زندگی کے مسائل سے قرآن عظیم کا تعلق صرف اس قدر رہ گیا کہ دم نزع اس کے ذریعے سے جان کنی کی سختیوں کو آسان کیا جائے اور مرنے کے بعد اس کے ذریعے سے میت کو ایصال ثواب کیا جائے۔ جب زندگی کے نشیب و فراز میں رہنما ہونے کے بجائے اس کا مصرف صرف یہ رہ گیا کہ ہم جس ضلالت کا بھی ارتکاب کریں اس کا افتتاح اس کے ذریعے سے کریں تاکہ وہ برکت دے کر اس ضلالت کو ہدایت بنا دیا کرے۔ جب لوگوں نے اس کو ایک تعویذ کے طور پر استعمال کرنا شروع کیا تاکہ جب وہ اپنے دنیوی مقاصد کی تکمیل کے لیے نکلا کریں تو قرآن ان کی حفاظت کرے کہ اس راہ میں ان کو کوئی گزند نہ پہنچ جائے۔ دنیا کی شاید ہی کوئی کتاب ہو جس نے قرآن حکیم سے زیادہ اس بات پر زور دیا ہو کہ اس کا حقیقی فائدہ صرف اسی صورت میں حاصل کیا جا سکتا ہے جب اس کو پورے غور و تدبر کے ساتھ پڑھا جائے لیکن یہ عجیب ماجرا ہے کہ یہی ایک کتاب ہے جو ہمیشہ آنکھ بند کر کے پڑھی جاتی ہے۔ معمولی سے معمولی کتاب بھی لوگ پڑھنے کے لیے کھولتے ہیں تو اس کے لیے سب سے پہلے اپنے دماغ کو حاضر کرتے ہیں لیکن قرآن کے ساتھ لوگوں کی یہ انوکھی روش ہے کہ جب اس کو پڑھنے کا ارادہ کرتے ہیں تو بالعموم سب سے پہلے اپنے دماغ پر پٹی باندھ لیتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ سے رہنمائی کی دعا

قرآن مجید سے فائدہ اٹھانے کے لیے پانچویں شرط یہ ہے کہ اس کی مشکلات میں آدمی بددل اور مایوس ہونے یا قرآن مجید سے بدگمان یا اس پر معترض ہونے کے بجائے اپنی الجھن کو اپنے رب کے سامنے پیش کرے اور اس سے مدد اور رہنمائی کا طلبگار رہے۔ قرآن میں تدبر کرنے والا کبھی کبھی ایسا محسوس کرتا ہے کہ وہ ایک ایسے "قول ثقیل" کے نیچے دب گیا ہے جس کو اٹھانا اس کے لیے ناممکن ہو رہا ہے۔ اسی طرح وہ کبھی کبھی ایسا محسوس کرتا ہے کہ اس کے سامنے کوئی ایسی مشکل آگئی ہے جس کی کوئی ایسی تاویل ممکن ہی نہیں ہے جس پر دل کو اطمینان ہو سکے۔ اس طرح کی علمی اور فکری مشکلوں اور الجھنوں سے نکلنے کا صحیح اور آزمودہ راستہ یہ ہے کہ آدمی اپنی جد و جہد کے ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ سے مدد اور رہنمائی کے لیے دعا بھی کرتا رہے۔ شب کے پچھلے پہر میں ٹھہر ٹھہر کر قرآن کو پڑھنا بھی اس مقصد کے لیے خاص چیز ہے۔ جہاں تک حکمت کا تعلق ہے اس کے دروازے

تو آخر شب کی خلوتوں کے بغیر کھلتے ہی نہیں۔ مندرجہ ذیل دعا بھی اکثر پڑھتے رہنا چاہیے۔

اللھم انی عبدک ابن عبدک ابن امتک ناصیتی بیدک ماض فی حکمک عدل فی قضاؤک اسئلک بکل اسم ھو لک سمیت به نفسک او انزلته فی کتابک او علمته احدا من خلقک ان تجعل القرآن ربیع قلبی و نور صدری و جلاء حزنی و ذھاب ھمی وغمی۔	اے اللہ، میں تیرا غلام ہوں، تیرے غلام کا بیٹا، اور تیری لونڈی کا بیٹا ہوں، میری پیشانی تیری مٹھی میں ہے۔ مجھ پر تیرا حکم جاری ہے، میرے بارے میں تیرا فیصلہ حق ہے۔ میں تجھ سے تیرے ہر اس نام کے واسطے سے جو تیرا ہے، جس سے تو نے اپنے کو پکارا ہے یا جس کو تو نے اپنی کتاب میں اتارا ہے یا جس کو تو نے اپنی مخلوق میں سے کسی کو سکھایا ہے، یہ درخواست کرتا ہوں کہ تو قرآن کو میرے دل کی بہار، میرے سینے کا نور، میرے غم کا مداوا اور میرے فکر و پریشانی کا علاج بنادے۔

چند حروف خاص اس تفسیر سے متعلق

آخر میں چند باتیں خاص اس کتاب سے متعلق بھی عرض کرنی ہیں۔

میں بلا کسی شائبہ فخر کے محض بیان واقعہ کے طور پہ عرض کرتا ہوں کہ یہ کتاب میری چالیس سال کی کوششوں کا نتیجہ ہے۔ میں نے اپنی جوانی کا بہترین زمانہ اس کتاب کی تیاریوں میں بسر کیا ہے اور اب اپنے بڑھاپے کی ناتوانیوں کا دور اسی کی تحریر و تسوید میں بسر کر رہا ہوں۔ اس طویل مدت میں میں نے زندگی کے بہت سے اتار چڑھاؤ دیکھے ہیں اور بہت سے تلخ و شیریں گھونٹ حلق سے اتارے ہیں لیکن اپنے رب کا شکر گزار ہوں کہ کسی دور اور کسی حال میں بھی میرا ذہنی و قلبی تعلق اس کتاب سے منقطع نہیں ہوا۔ میں نے اس ساری مدت میں جو کچھ پڑھا ہے اسی کو محور بنا کر پڑھا ہے، جو کچھ سوچا ہے اسی کو سامنے رکھ کر سوچا ہے اور جو کچھ لکھا ہے بالواسطہ یا بلاواسطہ اسی سے متعلق لکھا ہے۔ میں نے قرآن حکیم کی ایک ایک سورہ پر ڈیرے ڈالے ہیں، ایک ایک آیت پر فکری مراقبہ کیا ہے اور ایک ایک لفظ اور ایک ـــ

ایک ادبی یا نحوی اشکال کے حل کے لیے ہر اس پتھر کے الٹنے کی کوشش کی ہے جس کے نیچے مجھے کسی سراغ کے ملنے کی توقع ہوئی ہے۔ اور یہ راز بھی میں برملا ظاہر کرتا ہوں کہ میں نے کبھی بھی اس کام میں کوئی تکان یا افسردگی محسوس نہیں کی بلکہ ہمیشہ نہایت گہری لذت اور عمیق راحت کا احساس کیا ہے۔

ہر زماں از غیب جانے دیگر است

میری چالیس سال کی محنتوں کے نتائج کے ساتھ اس میں میرے استاذ مولانا حمید الدین فراہی رحمۃ اللہ علیہ کی ۳۰-۳۵ سال کی کوششوں کے ثمرات بھی ہیں۔ مجھے بڑا فخر ہوتا اگر میں یہ دعویٰ کر سکتا کہ اس کتاب میں جو کچھ بھی ہے سب استاذ مرحوم ہی کا افادہ ہے اس لیے کہ اصل حقیقت یہی ہے۔ لیکن میں یہ دعویٰ کرنے میں صرف اس لیے احتیاط کرتا ہوں کہ مبادا میری کوئی غلطی ان کی طرف منسوب ہو جائے۔ مولانا سے میرے استفادے کی شکل یہ نہیں رہی ہے کہ ہر آیت سے متعلق یقین کے ساتھ ان کی رائے میرے علم میں آگئی ہو، بلکہ میں نے ان سے قرآن حکیم پر غور کرنے کے اصول سیکھے اور ان کی رہنمائی میں پورے پانچ سال ان اصولوں کا تجربہ کرنے میں بسر کیے ہیں۔ پھر انھیں اصولوں کو سامنے رکھ کر آج تک کام کرتا رہا ہوں۔ اس اعتبار سے اگرچہ یہ کہنا غلط نہیں ہے کہ یہ سب کچھ استاذ ہی کا فیض ہے لیکن اس میں چونکہ بلاواسطہ افادے کے ساتھ ساتھ بالواسطہ افادے کا بھی بہت بڑا حصہ ہے اس وجہ سے یہ عرض کرتا ہوں کہ اس کا جو حصہ مستحکم اور مدلل نظر آئے اس کو استاذ مرحوم کا صدقہ سمجھیے اور جو بات کمزور یا غلط نظر آئے اس کو میری کم علمی پہ محمول فرمائیے۔

اختصار کے خیال سے میں نے اس کتاب میں ہر آیت کے تحت صرف اسی حد تک بحث کی ہے جس حد تک اس کا اصل مدعا واضح کرنے کے لیے مناسب خیال کی ہے۔ آیت سے متعلق دوسرے ضمنی مباحث میں پڑنے سے بالارادہ احتراز کیا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ آیت کا صحیح مفہوم سمجھ لینے کے بعد ایک ذہین قاری ان متعلقات کو خود اخذ کر سکتا ہے۔ جب تک ایک کلام کا موقع و محل متعین نہیں ہوتا اس وقت تک اس میں بڑے اختلاف کی گنجائش ہوتی ہے ہر ٹکڑے کے دسیوں بیسیوں مفہوم نکل سکتے ہیں۔ اس کے سبب سے اجتہاد و استنباط کا کام نہایت دشوار بلکہ ناممکن ہو جاتا ہے لیکن موقع و محل کے معین ہو جانے کے بعد راہ نہایت مختصر ہو جاتی ہے۔ ہر آیت اپنے ابتدائی مفہوم کے ساتھ ساتھ اپنے لوازم لعبیدہ کی طرف خود انگلی

انھا کر اشارہ کرتا ہے۔ ضرورت صرف اس بات کی ہوتی ہے کہ پڑھنے والے کا ذہن بیدار ہو اور یہ شرط ایک ایسی شرط ہے جو ہر علمی کتاب سے استفادے کے لیے ناگزیر ہے چہ جائیکہ ایک تفسیر کی کتاب۔

اس کتاب میں دوسری تفسیروں کے حوالے زیادہ نہیں ملیں گے۔ اس کی وجہ جیسا کہ اوپر اصولی مباحث کے ضمن میں عرض کر چکا ہوں، یہ ہے کہ اس کی بنیاد مروجہ طریقۂ تفسیر کی طرح تفسیر کی کتابوں پر نہیں ہے بلکہ براہ راست فہم قرآن کے اصلی وسائل و ذرائع پر ہے تاہم خاص خاص اہم مباحث میں ان تفسیروں اور ان ارباب تاویل کے حوالے بھی میں نے دیے ہیں جن کی تائید مجھے حاصل ہو سکی ہے۔ ان مواقع کے سوا بھی اگر میں چاہتا تو مجھے اپنی تائید میں حوالے مل جاتے لیکن میں نے ان کی زیادہ کوشش اس وجہ سے نہیں کی کہ میں چاہتا ہوں کہ ہر بات کو لوگ اس کے اساسی دلائل کی کسوٹی پر کس کر قبول کریں یا رد کریں۔

کتاب کو ثقالت سے بچانے کے لیے کلام عرب کے حوالے بھی میں نے زیادہ نہیں دیے ہیں، صرف بقدر کفایت ہی دیے ہیں۔ یہ کتاب اردو میں ہے اور اس کے پڑھنے والوں کی غالب تعداد ایسے ہی لوگوں پر مشتمل ہوگی جو عربی سے ناواقف ہوں گے۔ ایسے لوگوں کے لیے شعر عرب کے حوالے نامانوس بھی ہوں گے اور غیر مفید بھی۔ اس کمی کی تلافی میں نے قرآن مجید کے نظائر و شواہد سے اچھی طرح کر دی ہے اور یہ بات اپنی جگہ پر مسلم ہے کہ قرآن کی تفسیر خود قرآن سے سب سے زیادہ قابل اطمینان تفسیر ہے۔ تاہم یہ بات نہیں ہے کہ کلام عرب کو میں نے بالکل ہی نظر انداز کیا ہو۔ اہم ادبی و نحوی اشکالات کے مواقع میں اس سے بھی میں نے پورا فائدہ اٹھایا ہے اور اس کے حوالے بھی نقل کیے ہیں۔

میں اپنے رب کو گواہ کر کے کہتا ہوں کہ میں نے اس کتاب میں کسی ایک آیت کی بھی ایسی تفسیر نہیں کی ہے جس میں مجھے کوئی تردد ہو۔ جہاں ذرا بھی کوئی تردد ہوا ہے میں نے بے تکلف اس کی طرف اشارہ کر دیا ہے۔ اسی طرح بقید قسم یہ بات بھی عرض کرتا ہوں کہ کسی ایک مقام میں بھی میں نے یہ کوشش نہیں کی ہے کہ کسی آیت کو اس کے حقیقی مفہوم سے ہٹا کر اپنے کسی نظریے یا کسی خیال کی تائید کے لیے استعمال کروں۔ قرآن سے باہر کسی چیز سے بھی کبھی میری کوئی خاص قلبی و ذہنی وابستگی نہیں ہوئی۔ اگر ہوئی ہے تو قرآن ہی کے لیے اور قرآن ہی کے تحت ہوئی ہے۔ اس کتاب کو پڑھنے والے محسوس کریں گے کہ جہاں کہیں

درس قرآن

امین احسن اصلاحی

تفسیر سورۂ آل عمران

۱۴

۳۸- آگے کا مضمون آیات ۱۹۰-۲۰۰

(خاتمۂ سورہ)

آگے کا مضمون آیات ۱۹۰-۲۰۰

اس مجموعۂ آیات کی حیثیت خاتمۂ سورہ کی ہے اور یہ خاتمہ موازنہ کیجیے تو معلوم ہوگا کہ بہت کچھ ملتا جلتا ہوا ہے سورۂ بقرہ کے خاتمہ سے۔ خاص طور پر اس میں جو دعا ہے وہ تو بالکل عکس ہے اس دعا کا جس پر سورۂ بقرہ ختم ہوئی ہے۔

اس خاتمہ میں پہلے تو اس عالم گیر حقیقت کی طرف توجہ دلائی ہے کہ جہاں تک خدا کی قدرت و حکمت کی نشانیوں کا تعلق ہے ان سے تو آسمان و زمین کا گوشہ گوشہ معمور ہے۔ اصل شے بنی کی دعوت پر ایمان لانے کے لیے جو ضروری ہے وہ یہ نہیں ہے کہ وہ ایسی سوختنی قربانی پیش کرے جس کو کھانے کے لیے آسمان سے آگ اترے بلکہ یہ ہے کہ اس کی باتوں کو سننے کے لیے لوگوں کے کان کھلیں آسمان و زمین میں تصرفات قدرت کے عجائب دیکھنے کے لیے لوگ اپنی آنکھیں کھولیں اور اس کارخانۂ کائنات کی حکمت و غایت پر غور کرنے کے لیے لوگ اپنے دماغوں اور عقلوں سے کام لیں۔

پھر فرمایا کہ جن کے دل بیدار ہیں، جو اٹھتے بیٹھتے، سوتے جاگتے خدا کو یاد رکھتے ہیں اور آسمان و زمین کی خلقت پر غور کرتے رہتے ہیں وہ اس نتیجے تک خود پہنچ جاتے ہیں کہ دنیا کوئی اندھیر نگری نہیں ہے جس کو بنانے والے نے یوں ہی بے مقصد بنا ڈالا ہو اور یوں ہی اس کو ایک شتر بے مہار کی طرح چھوڑ رکھے بلکہ اس کے پیچھے ضرور غایت و مقصد اور جزا اور سزا ہے۔ چنانچہ وہ خدا سے دعا کرتے رہتے ہیں کہ وہ ان کو انجام کار کے عذاب سے محفوظ رکھے۔

آگے فرمایا کہ اس طرح کے بیدار عقل اور بیدار دل لوگ معجزوں اور کرشموں کی تلاش میں

نہیں رہتے۔ ان کے کانوں میں جب دعوتِ حق پڑتی ہے تو اس کی صداقت کے جانچنے کے لیے کسوٹی خود ان کی عقل اور ان کے دل کے اندر ہوتی ہے۔ وہ اس پر پرکھ کر خود اس کی قدر و قیمت پہچان لیتے ہیں۔ ان کے لیے پیغمبر کی دعوت اور اس کا چہرہ ہی سب سے بڑا معجزہ ہوتا ہے۔

اس کے بعد ان لوگوں کی طرف اشارہ فرمایا جو ان اوصاف کے اس عہد میں حقیقی مصداق تھے اور ان کی ان جاں بازیوں اور قربانیوں کا ذکر کیا جو اس دعوت کی راہ میں وہ پیش کر رہے تھے اور ان کے لیے اللہ کے ہاں جو اجرِ عظیم ہے اس کی بشارت دی۔

آگے چند آیتوں میں اس بات کی وضاحت فرما دی کہ آج حق کے مخالفین جو زور لگا رہے ہیں اس سے کوئی مغالطہ نہیں ہونا چاہیئے۔ یہ مہلت جو ان کو ملی ہے اللہ ہی کی طرف سے ملی ہے اور اس کے بھی مصالح ہیں۔ یہ مہلت عارضی ہے جو بہت جلد ختم ہو جانے والی ہے۔ انجام کار کی کامیابی خدا کے متقی اور وفادار بندوں ہی کے لیے ہے۔

آخر میں اہل کتاب کے اس گروہ کی تحسین فرمائی جو معاندین کے برعکس حق پر قائم رہا اور اس نے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے کی توفیق پائی۔ فرمایا کہ یہ لوگ اللہ کے ہاں اپنی اس استقامت اور حق پرستی کا انعام پائیں گے۔

سب سے آخر میں مسلمانوں کو نہایت مختصر مگر نہایت جامع الفاظ میں ان باتوں کی ہدایت فرمائی جن کا اہتمام اس ذمہ داری کے ادا کرنے کے لیے ضروری ہے جو آخری امت کی حیثیت سے اللہ تعالیٰ نے ان پر ڈالی ہے۔

اب اس روشنی میں آگے کی آیات کی تلاوت فرمایئے۔

اِنَّ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافِ الَّیْلِ وَالنَّهَارِ لَاٰیٰتٍ لِّاُولِی ۱۹۰-۲۰۰
الْاَلْبَابِ ۝۱۹۰ الَّذِیْنَ یَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ قِیٰمًا وَّقُعُوْدًا وَّعَلٰی جُنُوْبِهِمْ وَیَتَفَكَّرُوْنَ
فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلًا سُبْحٰنَكَ فَقِنَا عَذَابَ
النَّارِ ۝۱۹۱ رَبَّنَاۤ اِنَّكَ مَنْ تُدْخِلِ النَّارَ فَقَدْ اَخْزَیْتَهٗ وَمَا لِلظّٰلِمِیْنَ مِنْ
اَنْصَارٍ ۝ رَبَّنَاۤ اِنَّنَا سَمِعْنَا مُنَادِیًا یُّنَادِیْ لِلْاِیْمَانِ اَنْ اٰمِنُوْا بِرَبِّكُمْ فَاٰمَنَّا ۖ
رَبَّنَا فَاغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَا وَكَفِّرْ عَنَّا سَیِّاٰتِنَا وَتَوَفَّنَا مَعَ الْاَبْرَارِ ۝ رَبَّنَا وَاٰتِنَا
مَا وَعَدْتَّنَا عَلٰی رُسُلِكَ وَلَا تُخْزِنَا یَوْمَ الْقِیٰمَةِ اِنَّكَ لَا تُخْلِفُ الْمِیْعَادَ ۝

فَاسْتَجَابَ لَهُمْ رَبُّهُمْ اَنِّیْ لَاۤ اُضِیْعُ عَمَلَ عَامِلٍ مِّنْكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰی بَعْضُكُمْ
مِّنْ بَعْضٍ فَالَّذِیْنَ هَاجَرُوْا وَاُخْرِجُوْا مِنْ دِیَارِهِمْ وَاُوْذُوْا فِیْ سَبِیْلِیْ وَقٰتَلُوْا
وَقُتِلُوْا لَاُكَفِّرَنَّ عَنْهُمْ سَیِّاٰتِهِمْ وَلَاُدْخِلَنَّهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ
ثَوَابًا مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ وَاللّٰهُ عِنْدَهٗ حُسْنُ الثَّوَابِ ۝ لَا یَغُرَّنَّكَ تَقَلُّبُ الَّذِیْنَ
كَفَرُوْا فِی الْبِلَادِ ۝ مَتَاعٌ قَلِیْلٌ ثُمَّ مَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ وَبِئْسَ الْمِهَادُ ۝ لٰكِنِ الَّذِیْنَ
اتَّقَوْا رَبَّهُمْ لَهُمْ جَنّٰتٌ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِیْنَ فِیْهَا نُزُلًا مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ
وَمَا عِنْدَ اللّٰهِ خَیْرٌ لِّلْاَبْرَارِ ۝ وَاِنَّ مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ لَمَنْ یُّؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَمَاۤ اُنْزِلَ
اِلَیْكُمْ وَمَاۤ اُنْزِلَ اِلَیْهِمْ خٰشِعِیْنَ لِلّٰهِ لَا یَشْتَرُوْنَ بِاٰیٰتِ اللّٰهِ ثَمَنًا قَلِیْلًا
اُولٰٓىِٕكَ لَهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ اِنَّ اللّٰهَ سَرِیْعُ الْحِسَابِ ۝ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ
اٰمَنُوا اصْبِرُوْا وَصَابِرُوْا وَرَابِطُوْا وَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ۝

بے شک آسمانوں اور زمین کی خلقت اور رات اور دن کی آمد و شد میں اہل عقل کے لیے بہت سی نشانیاں ہیں۔ ان کے لیے جو کھڑے بیٹھے اور اپنے پہلوؤں پر خدا کو یاد کرتے رہتے ہیں اور آسمانوں اور زمین کی خلقت پر غور کرتے رہتے ہیں۔ ان کی دعا یہ ہوتی ہے کہ اے ہمارے پروردگار تو نے یہ بے مقصد نہیں پیدا کیا ہے۔ تو اس بات سے پاک ہے کہ کوئی عبث کام کرے۔ سو تو ہمیں دوزخ کے عذاب سے بچا۔ اے ہمارے رب، جس کو تو نے دوزخ میں ڈالا بے شک اس کو تو نے رسوا کر دیا اور ظالموں کا کوئی بھی مددگار نہیں ہوگا۔ اے ہمارے رب، ہم نے ایک پکارنے والے کو سنا ایمان کی دعوت دیتے کہ لوگو، اپنے رب پر ایمان لاؤ تو ہم ایمان لائے۔ اے ہمارے رب، ہمارے گناہوں کو بخش دے، ہماری برائیوں کو ہم سے دور کر دے اور ہمیں موت اپنے وفادار بندوں کے ساتھ دے۔ اے ہمارے رب اور ہمیں بخش وہ کچھ جس کا تو نے اپنے رسولوں کی زبانی ہم سے وعدہ فرمایا ہے اور قیامت کے دن ہمیں رسوا نہ کیجیو، بے شک تو اپنے وعدے کے خلاف نہیں کرے گا۔ ۱۹۰-۱۹۴

تو ان کے پروردگار نے ان کی دعا قبول فرمائی کہ میں تم میں سے کسی عمل کرنے

والے کے عمل کو ضائع نہیں کروں گا، مرد ہو یا عورت، تم سب ایک دوسرے سے ہو۔ سو جنھوں نے ہجرت کی اور جو اپنے گھروں سے نکالے اور ہماری راہ میں ستائے گئے اور لڑے اور مارے گئے میں ان سے ان کے گناہ دور کر دوں گا اور ان کو ایسے باغوں میں داخل کروں گا جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی۔ یہ اللہ کے پاس سے ان کا بدلہ ہوگا اور بہترین بدلہ تو اللہ ہی کے پاس ہے۔ ۱۹۵

اور ملک کے اندر کافروں کی یہ سرگرمیاں تمھیں کسی مغالطہ میں نہ ڈالیں۔ یہ چند دن کی چاندنی ہے پھر ان کا ٹھکانا جہنم ہے اور وہ کیا ہی بُری جگہ ہے۔ البتہ وہ لوگ جو اپنے رب سے ڈرتے رہے ان کے لیے ایسے باغ ہوں گے جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی، وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔ یہ اللہ کی طرف سے ان کے لیے پہلی میزبانی ہوگی اور جو کچھ اللہ کے پاس اس کے وفادار بندوں کے لیے ہے وہ کہیں بہتر ہے ۱۹۶ - ۱۹۸

اور بے شک اہل کتاب میں سے ایسے بھی ہیں جو اللہ پر ایمان رکھتے ہیں، اس پر بھی ایمان رکھتے ہیں جو تم پر اتارا گیا ہے اور اس پر بھی جو ان پر اتارا گیا ہے۔ اللہ سے ڈرتے ہوئے۔ وہ اللہ کی آیتوں کا حقیر قیمت پر سودا نہیں کرتے۔ ان کے لیے ان کے رب کے پاس ان کا اجر ہے۔ بے شک اللہ جلد حساب چکانے والا ہے۔ ۱۹۹

اے ایمان والو، صبر کرو، ثابت قدم رہو، مقابلے کے لیے تیار رہو اور اللہ سے ڈرتے رہو تاکہ تم کامیاب رہو! ۲۰۰

۲۹۔ الفاظ کی تحقیق اور جملوں کی وضاحت

إِنَّ فِي خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ وَاخْتِلَافِ اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ لَآيٰتٍ لِّأُولِي الْأَلْبَابِ
الَّذِينَ يَذْكُرُونَ اللّٰهَ قِيَامًا وَّقُعُودًا وَّعَلٰى جُنُوبِهِمْ وَيَتَفَكَّرُونَ فِي خَلْقِ السَّمٰوٰتِ
وَالْأَرْضِ رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلًا سُبْحٰنَكَ فَقِنَا عَذَابَ النَّارِ رَبَّنَا إِنَّكَ
مَنْ تُدْخِلِ النَّارَ فَقَدْ أَخْزَيْتَهُ وَمَا لِلظّٰلِمِينَ مِنْ أَنْصَارٍ (۱۹۰-۱۹۲)

محبت دنیا کے ان اندھوں کا ذکر کرنے کے بعد جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تکذیب کے

لیے اس قسم کی کٹ حجتیاں پیدا کر رہے تھے جن کی تفصیل اوپر بیان ہوئی اب یہ ان اربابِ بصیرت کا بیان ہو رہا ہے جو اللہ کو ہر جگہ اور ہر حال میں یاد رکھتے ہیں اور زمین و آسمان کی خلقت پر برابر غور کرتے رہتے ہیں۔ فرمایا کہ یہ ذکر و فکر خود بخود ان کو اس نتیجے تک پہنچا دیتا ہے کہ یہ عظیم کارنامہ بے غائت و بے مقصد نہیں ہو سکتا اور جب بے غائت و بے مقصد نہیں ہو سکتا تو لازم ہے کہ یہ محض اتنے ہی پر تمام نہ ہو جائے جتنا ظاہر ہو رہا ہے بلکہ ضروری ہے کہ ایک دن ایسا آئے جس میں گنہگار اور نیکوکار دونوں اپنے اپنے اعمال کا بدلہ پائیں اور اس دنیا کی خلقت میں جو عظیم حکمت پوشیدہ ہے وہ ظاہر ہو۔

آسمان و زمین کی خلقت اور رات اور دن کی آمد و شد میں جو نشانیاں ہیں ان کی طرف یہاں صرف اجمالی اشارہ ہے۔ ان کی تفصیل پورے قرآن میں پھیلی ہوئی ہے۔ قرآن نے بڑی وضاحت کے ساتھ گوناگوں پہلوؤں سے آفاق کی ان نشانیوں کو نمایاں کیا ہے جو شہادت دیتی ہیں کہ اس کائنات کے پیچھے صرف ایک عظیم طاقت ہی نہیں ہے بلکہ اس کے ساتھ عظیم حکمت بھی ہے، صرف بے پناہ قدرت ہی نہیں ہے بلکہ بے پایاں رافت و رحمت بھی ہے، صرف بے اندازہ کثرت ہی نہیں ہے بلکہ اس کثرت کے اندر نہایت حیرت انگیز توافق و توازن بھی ہے۔ یہ چیز ظاہر کرتی ہے کہ اس دنیا کا پیدا ہونا نہ تو کوئی اتفاقی سانحہ ہے نہ یہ کسی کھلنڈرے کا کھیل ہے بلکہ یہ ایک قدیر و حکیم، عزیز و غفور اور سمیع و علیم کی بنائی ہوئی دنیا ہے اس وجہ سے یہ بات اس کی فطرت کے خلاف ہے کہ یہ خیر و شر اور نیک و بد کے درمیان امتیاز کے بغیر یوں ہی چلتی رہے یا یوں ہی تمام ہو جائے۔ اگر ایسا ہو تو اس کے معنی یہ ہوں گے کہ یا تو اس کا کوئی خالق و مالک ہی نہیں ہے، یہ آپ سے آپ کہیں سے آ دھمکی ہے اور اسی طرح چلتی رہے گی یا یہ کہ نعوذ باللہ اس کا خالق کوئی کھلنڈرے مزاج کا ہے جو کسی کو گدا، کسی کو تونگر، کسی کو ظالم اور کسی کو مظلوم بنا کر اس کا تماشہ دیکھ رہا ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ دونوں باتیں اس قدرت اور اس حکمت کے بالکل منافی ہیں جن کی شہادت اس کائنات کے گوشے گوشے سے مل رہی ہے اور ایسی علیم و حکیم ہستی کی شان علم و حکمت کے یہ بات بالکل منافی ہے کہ وہ کوئی بے حکمت کام کرے۔

اس طرح اس کائنات کی قدرت و حکمت پر غور کرنے والا شخص نہ صرف خدا تک بلکہ اقرارِ آخرت تک خود پہنچ جاتا ہے اور جس کا ذہن اس حقیقت تک پہنچ جائے گا ظاہر ہے کہ

جزا و سزا کے تصور سے اس کا دل کانپ اٹھے گا اور اس کے اندر شدید داعیہ اس بات کے لیے پیدا ہوگا کہ وہ اس عذاب اور اس رسوائی سے پناہ مانگے جو ان لوگوں کے لیے مقدر ہے جو اس دنیا کو بس ایک کھلنڈرے کا کھیل سمجھتے رہے اور اس طرح انھوں نے اپنی ساری زندگی بالکل بطالت میں گزار دی۔

یہاں آیات کا سیدھا سادا مطلب ہوا۔ ان پر مزید غور کیجیے تو چند اور باتیں بھی سامنے آئیں گی اور وہ بھی نہایت قیمتی ہیں۔

ایک یہ کہ قرآن کے نزدیک اولوالالباب صرف وہ لوگ ہیں جو اس کائنات کے نظام پر غور کر کے خدا کے ذکر اور آخرت کی فکر تک رہنمائی حاصل کریں۔ جن کو یہ چیز حاصل نہیں ہوئی وہ اگرچہ آسمان و زمین کی تمام مسافت ناپ ڈالیں اور چاند و مریخ تک سفر کر آئیں لیکن وہ اولوالالباب نہیں ہیں۔ ان کے سروں پر کھوپڑیاں تو ہیں لیکن ان کے اندر مغز نہیں ہے۔ اگر ان کے اندر مغز ہوتا تو یہ کس طرح ممکن تھا کہ انھیں سب کچھ نظر آ جاتا اور یہ تل کی اوٹ میں چھپا ہوا پہاڑ نظر نہ آتا۔

دوسری یہ کہ جہاں تک خدا کا تعلق ہے وہ فکر و نظر کا محتاج نہیں ہے۔ وہ اس کائنات کی بدیہی حقیقت بلکہ ابدہ البدیہیات ہے۔ اس کائنات کا ذرہ ذرہ اس کی منادی کر رہا ہے۔ ہماری فطرت اس کی شہادت دے رہی ہے۔ انسان کے اندر اگر عقل سلیم ہو تو وہ خدا کو اسی طرح دیکھتی ہے جس طرح سلیم آنکھ سورج کو دیکھتی ہے۔ خدا کو پانے کے لیے یہ کافی ہے کہ انسان اس کو یاد رکھے۔ البتہ آخرت کا معاملہ تفکر و تدبر کا محتاج ہے۔

تیسری یہ کہ جہاں تک ذکرِ الٰہی کا تعلق ہے وہ ہر حال میں مطلوب ہے۔ اس کے لیے قیام و قعود، نرمی و گرمی اور صبح و مسا کی کوئی قید نہیں ہے۔ انسان کی مادی زندگی کے بقا کے لیے جس طرح سانس کی آمد و شد ضروری ہے اسی طرح اس کی روحانی زندگی کے بقا کے لیے اللہ کی یاد ضروری ہے اور قرآن کی زیرِ بحث آیات سے یہ بات صاف نکلتی ہے کہ اولوالالباب کی خاص صفت یہی ہوتی ہے کہ وہ اللہ کی یاد سے کبھی غافل نہیں ہوتے۔

چوتھی یہ کہ دین میں جس طرح ذکر مطلوب ہے اسی طرح فکر بھی مطلوب ہے۔ اگر ذکر ہو اور فکر نہ ہو تو بسا اوقات یہ ذکر صرف زبان کا ایک شغل بن کے رہ جاتا ہے۔ اس سے معرفت کے دروازے نہیں کھلتے۔ اولوالالباب کے ذکر کی یہ خصوصیت ہوتی ہے کہ اس کے ساتھ فکر بھی ہوتا ہے جس کی وجہ سے ان کے قدم درجہ بدرجہ حکمت و معرفت میں راسخ ہوتے جاتے ہیں اس لیے کہ یہی فکر، آخرت کے یقین کی طرف رہنمائی کرتی ہے۔

پانچویں یہ کہ اس کائنات میں تفکر سے جس طرح اولوالالباب اس حقیقت تک پہنچ جاتے ہیں کہ یہ کائنات کسی کھلنڈرے کا کھیل نہیں ہے اس وجہ سے ایک روزِ عدل کا ظہور ضروری ہے اسی طرح یہ حقیقت بھی ان پر واضح ہو جاتی ہے کہ اس دن حقیقی رسوائی سے وہ لوگ دوچار ہوں گے جو جھوٹی شفاعتوں پر تکیہ کیے بیٹھے ہیں اس لیے کہ اس دن ایسے بدقسمتوں کا کوئی بھی مددگار نہ ہوگا۔¹

رَبَّنَآ اِنَّنَا سَمِعْنَا مُنَادِيًا يُّنَادِيْ لِلْاِيْمَانِ اَنْ اٰمِنُوْا بِرَبِّكُمْ فَاٰمَنَّا ۖ رَبَّنَا فَاغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَا وَكَفِّرْ عَنَّا سَيِّاٰتِنَا وَتَوَفَّنَا مَعَ الْاَبْرَارِ ۝ رَبَّنَا وَاٰتِنَا مَا وَعَدْتَّنَا عَلٰي رُسُلِكَ وَلَا تُخْزِنَا يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۭ اِنَّكَ لَا تُخْلِفُ الْمِيْعَادَ ۝ فَاسْتَجَابَ لَھُمْ رَبُّھُمْ اَنِّىْ لَآ اُضِيْعُ عَمَلَ عَامِلٍ مِّنْكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى ۚ بَعْضُكُمْ مِّنْۢ بَعْضٍ ۚ فَالَّذِيْنَ ھَاجَرُوْا وَاُخْرِجُوْا مِنْ دِيَارِھِمْ وَاُوْذُوْا فِيْ سَبِيْلِيْ وَقٰتَلُوْا وَقُتِلُوْا لَاُكَفِّرَنَّ عَنْھُمْ سَيِّاٰتِھِمْ وَلَاُدْخِلَنَّھُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْھٰرُ ۚ ثَوَابًا مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ ۭ وَاللّٰهُ عِنْدَهٗ حُسْنُ الثَّوَابِ (۱۹۳-۱۹۵)

اب یہ مذکورہ بالا اولوالالباب کا رویہ بیان ہو رہا ہے کہ وہ اللہ کے رسول اور اس کی دعوت کے ساتھ کیا معاملہ کرتے ہیں۔ فرمایا کہ نہ وہ کٹ حجتیاں کرتے نہ خوارق اور معجزات مانگتے۔ پیغمبر کی دعوت خود ان کے اپنے دل کی آواز ہوتی ہے۔ وہ جس خدا اور آخرت پر ایمان کی دعوت دے رہا ہوتا ہے اس کی شہادت وہ خود اپنے باطن سے سنتے ہیں اس وجہ سے ان کے لیے پیغمبر کی آواز اور اس کا چہرہ ہی معجزے کا کام کرتا ہے۔ وہ جب اس کی دعوت سنتے ہیں تو اس کی مخالفت کر کے اس کو دبانے کے بجائے، اس پر لبیک کہتے ہیں اور اپنے پروردگار سے دعا کرتے ہیں کہ ان کے گناہوں کو وہ معاف فرمائے ان کی لغزشوں سے درگزر فرمائے اور ان کا خاتمہ اپنے وفا شعار بندوں کے ساتھ کرے۔

---

¹ اگر قیامت میں باطل شفاعتوں کے لیے گنجائش مان لی جائے تو یہ دنیا پھر اسی طرح بازیچۂ اطفال بن کے رہ جاتی ہے جس طرح آخرت نہ ماننے کی صورت میں اور یہ بات بالبداہت غلط ہے۔

اہل کتاب پر ایک لطیف تعریض

تَوَفَّنَا مَعَ الْاَبْرَارِ خدا کے وفادار بندوں کے زمرے میں شامل کیے جانے کی تمنا کا اظہار ہے یعنی جب ہمارا خاتمہ ہو تو ہمیں ان کی معیت نصیب ہو جو آخر دم تک تیرے عہد و پیمان میں مضبوط رہے۔ لفظ 'بارّ' پر ہم دوسرے مقام میں گفتگو کر چکے ہیں کہ اس لفظ کی اصل روح وفاداری، پابندی عہد و میثاق اور ادائے حقوق و فرائض ہے۔ اس پہلو سے غور کیجیے تو یہاں اس میں ان اہل کتاب پر ایک لطیف تعریض بھی ہے جن سے آخری رسول کی تائید و حمایت کا عہد لیا گیا تھا لیکن انھوں نے اس عہد کے برخلاف سارا زور اس کی مخالفت میں صرف کیا۔ یہ واضح رہے کہ یہاں کلام میں پیش نظر اہل کتاب ہی کا ہیں۔

فَاسْتَجَابَ لَهُمْ رَبُّهُمْ نہایت بلیغ اسلوب میں دعا کی قبولیت کا اظہار ہے۔ گویا ادھر ان کی زبان سے دعا کے الفاظ نکلے ادھر بارگاہ خداوندی سے ان کی قبولیت کی سند مل گئی۔ جو دعائیں صحیح جذبے کے ساتھ صحیح محل اور ٹھیک وقت پر نکلتی ہیں ان کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا معاملہ یہی ہے۔ اس حقیقت کی طرف ہم دوسرے مقام میں بھی اشارہ کر چکے ہیں۔

دعا کی بلاغت

یہاں یہ نکتہ بھی ملحوظ رہے کہ اولوا الالباب کی طرف سے حق کی یہ تائید دعوے کی شکل میں نہیں بلکہ دعا کی شکل میں سامنے آئی ہے۔ یہ اس بات کا ثبوت ہے کہ وہ اپنے اس 'آمَنَّا' کی ذمہ داریوں اور اس کی مشکلات سے اچھی طرح واقف ہیں اس وجہ سے بجائے اس کے کہ وہ اس کا اظہار فخر کے ساتھ کرتے انھوں نے نہایت عاجزی اور فروتنی کے ساتھ اپنے آپ کو اپنے رب کے آگے ڈال دیا ہے کہ جس طرح اس نے یہ 'آمَنَّا' کہنے کی توفیق دی ہے اسی طرح وہ تمام اگلی اور پچھلی کوتاہیوں سے درگزر فرمائے اور اس راہ کی ذمہ داریوں اور مشکلات سے عہدہ برا ہونے کی توفیق دے۔

مظلوموں اور کمزوروں کی حوصلہ افزائی

لَا أُضِيعُ عَمَلَ عَامِلٍ مِنْكُمْ مِنْ ذَكَرٍ أَوْ أُنْثَىٰ میں ان تمام اہل ایمان کی حوصلہ افزائی ہے جو دعوت اسلامی کے اس نازک مرحلے میں اس کی تائید کے لیے خطرات سے بے پروا ہو کر اٹھ کھڑے ہوئے تھے۔ یہ مرحلہ، جیسا کہ فَالَّذِينَ هَاجَرُوا وَأُخْرِجُوا مِنْ دِيَارِهِمْ وَأُوذُوا فِي سَبِيلِي وَقَاتَلُوا وَقُتِلُوا کے الفاظ سے واضح ہے ہجرت، جہاد، راہ خدا میں مصائب جھیلنے اور مرنے اور مارنے کا مرحلہ تھا۔ اس مشکل وقت میں جو لوگ اس میدانِ عشق میں سر دھڑ کی بازیاں لگا کر اترے تھے ان میں آزاد بھی تھے اور غلام بھی، مرد بھی تھے اور عورتیں بھی۔ اور سب ایک سے ایک بڑھ کر قربانیاں پیش کر رہے تھے اور ایمان و اسلام کے جرم میں معاندین اسلام

کے ہاتھوں لرزہ خیز مظالم کا ہدف بنے ہوئے تھے۔ خاص طور پر کمزوروں یعنی عورتوں اور غلاموں پر جو ستم توڑے جا رہے تھے ان کو سن کر تو آج بھی رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ لیکن یہ اسلام کا معجزہ ہے کہ کفار کی یہ تمام ستم رانیاں کسی ایک شخص کو بھی اسلام سے پھیرنے میں کامیاب نہ ہو سکیں بلکہ یہ کہنا بھی ذرا مبالغہ نہیں ہے کہ جو جتنا ہی کمزور تھا اس نے اسی قدر زیادہ استقلال اور پامردی کا ثبوت دیا۔ یہ صورتِ حال مقتضی ہوئی کہ اللہ تعالیٰ اپنے وعدے میں ان کمزوروں کی دلداری اور حوصلہ افزائی کا خاص طور پر اہتمام فرمائے۔ چنانچہ ارشاد ہوا کہ إِنِّي لَا أُضِيعُ عَمَلَ عَامِلٍ مِنْكُمْ تم میں سے جو شخص بھی آج میرے دین کی کوئی خدمت کر رہا ہے میں اس کو ضائع نہیں کروں گا بلکہ اس کا بھرپور صلہ دوں گا۔ اس کے بعد اس کے ساتھ مِنْ ذَكَرٍ أَوْ أُنْثَىٰ کے الفاظ بھی بڑھا دیے یعنی عام اس سے کہ مرد ہو یا عورت، جو بھی آج میرے لیے کوئی دکھ جھیل رہا ہے میرا یہ وعدہ ان سب کو شامل ہے۔ اس ٹکڑے نے کلام کو بالکل مطابقِ حال کر دیا اور کون اندازہ کر سکتا ہے کہ ان دو لفظوں سے ان مظلومین [illegible] کی کتنی ڈھارس بندھائی ہوگی جو محض اسلام کی خاطر طرح طرح کے مظالم کا نشانہ بنی ہوئی تھیں۔

اللہ کی میزان میں عورت اور مرد دونوں برابر ہیں

بَعْضُكُمْ مِنْ بَعْضٍ اثنائے کلام میں بالکل ضمنی طور پر اس بات کی دلیل بیان ہو گئی ہے کہ کیوں اللہ تعالیٰ کی میزان میں مرد اور عورت دونوں کا عمل بالکل یکساں وزن رکھتا ہے؟ فرمایا کہ اس لیے کہ عورت اور مرد دونوں ایک ہی جنس سے ہیں، دونوں ایک ہی آدم و حوا کی اولاد ہیں، دونوں ایک ہی قسم کے گوشت پوست سے بنے ہوئے ہیں۔ ان دو لفظوں سے قرآن نے ان تمام جاہلی نظریات اور غلط مذہبی تصورات کی تردید کر دی جو عورت کو مرد کے مقابل میں ایک فروتر مخلوق قرار دیتے تھے۔ اس مسئلے پر ہم آگے والی سورہ میں بحث کرنے والے ہیں اس وجہ سے یہاں اس مختصر اشارے پر کفایت کرتے ہیں۔

ثَوَابًا مِنْ عِنْدِ اللَّهِ ثاب، یثوب، ثوبًا کے اصل معنی رجوع کرنے اور لوٹنے کے ہیں۔ اسی سے ثواب ہے جس کے معنی اس ثمرے اور نتیجے کے ہیں جو کسی عمل کرنے والے کے عمل کے ردِ عمل کے طور پر اس کو حاصل ہو۔ اگرچہ لفظ میں گنجائش خیر اور شر دونوں کی ہے لیکن اس کا غالب استعمال اچھے عمل کے اچھے ردِ عمل کے لیے ہے۔ بندوں کے حقیر اعمال پر اللہ تعالیٰ جو ابدی اور لازوال انعامات عطا فرمائے گا ان کو ثواب کے لفظ سے تعبیر کر کے رب کریم نے بندوں کے اعمال کی قدر و قیمت بڑھائی ہے۔ ورنہ ذرّے اور پہاڑ میں کیا نسبت ہے۔ مِنْ

عِنْدِ اللّٰهِ وَاللّٰهُ عِنْدَهٗ حُسْنُ الثَّوَابِ کے الفاظ سے اس بعد کو رفع فرمایا گیا ہے۔ یعنی ہے تو تمہارے ہی عمل کا بدلہ لیکن ہے اللہ کے پاس سے، جس کے پاس حسن ثواب کے خزانے ہیں۔ وہ داتا جس کو جتنا چاہے دے دے۔ اس کے پاس کیا کمی ہے۔

لَا يَغُرَّنَّكَ تَقَلُّبُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فِي الْبِلَادِ ۝ مَتَاعٌ قَلِيْلٌ ثُمَّ مَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ۭ وَبِئْسَ الْمِهَادُ ۝ لٰكِنِ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا رَبَّھُمْ لَھُمْ جَنّٰتٌ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا نُزُلًا مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ ۭ وَمَا عِنْدَ اللّٰهِ خَيْرٌ لِّلْاَبْرَارِ (۱۹۶-۱۹۸)

خطاب کا ایک اسلوب

'لَا يَغُرَّنَّكَ' میں خطاب عام مسلمانوں سے ہے۔ اس طرح واحد کے صیغے سے خطاب ہم دوسرے مقام میں واضح کر چکے ہیں، اس امر کو واضح کرتا ہے کہ مخاطب گروہ کا ایک ایک شخص فرداً فرداً مخاطب ہے۔

تقلب کا مفہوم

'تقلب' کے معنی آمد و شد، چلت پھرت اور ایاب و ذہاب کے ہیں۔ موقع و محل کے لحاظ سے اس کے اندر غرور، اکڑ اور دندنانے کے معنی پیدا ہو جاتے ہیں۔ اس آیت میں موقع کلام دلیل ہے کہ اس سے مراد اس وقت کفار کا ملک کے حالات و معاملات میں آزادانہ و خود مختارانہ تصرف ہے جو مسلمانوں کے مقابل میں ان کو حاصل تھا۔ اس وقت تک مسلمان ابھی کمزور اور مظلوم تھے اور کفار اپنی سطوت کے گھمنڈ میں ہر جگہ دندناتے پھر رہے تھے۔

'نُزُل' اس ضیافت و میزبانی کو کہتے ہیں جو کسی مہمان کی آمد پر سب سے پہلے پیش کی جاتی ہے۔

متاع قلیل مبتدائے محذوف کی خبر ہے اور یہ ہم دوسرے مقام میں واضح کر چکے ہیں کہ جب اس طرح مبتدا کو حذف کر دیں تو مقصود اس سے ساری توجہ صرف خبر پر مرکوز کرانا ہوتا ہے۔

مسلمانوں کو مزید حوصلہ افزائی

اوپر کی آیات میں کمزور اور مظلوم مسلمانوں کی جو حوصلہ افزائی فرمائی گئی ہے اسی مضمون کی یہ مزید تائید ہے۔ مسلمانوں کو بالخصوص کمزور اور مظلوم مسلمانوں کو خطاب کر کے یہ اطمینان دلایا جا رہا ہے کہ اس وقت کفار کو ملک میں جو غلبہ اور زور حاصل ہے اس سے کوئی مغالطہ نہیں ہونا چاہیے۔ یہ چمک دمک محض چند روزہ ہے۔ اس کے بعد ان کا ٹھکانا جہنم ہے اور وہ نہایت برا ٹھکانا ہے۔ حقیقی اور ابدی کامیابی انھی لوگوں کے لیے ہے جو تقویٰ اختیار کریں گے اور تقویٰ پر قائم رہیں گے۔ ان کے لیے پہلی پیشکش جو ہو گی وہ جنت کی ہو گی اور اپنے وفادار

بندوں کے لیے ان کے رب کے پاس مزید جو کچھ ہے وہ ایک سے ایک بڑھ کر ہے۔

وَاِنَّ مِنْ اَھْلِ الْكِتٰبِ لَمَنْ يُّؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِمْ خٰشِعِيْنَ لِلّٰهِ ۙ لَا يَشْتَرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ ثَـمَنًا قَلِيْلًا ۭ اُولٰۗىِٕكَ لَھُمْ اَجْرُھُمْ عِنْدَ رَبِّھِمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ سَرِيْعُ الْحِسَابِ (۱۹۹)

اہل کتاب کی تحسین

اوپر کی آیات اور بحیثیت مجموعی اس پوری سورہ میں اہل کتاب کے رویے کی چونکہ شدید مذمت ہوئی ہے اس وجہ سے یہ آخر میں ان اہل کتاب کی تحسین فرمائی جو اپنی سابقہ کتب پر بھی قائم رہے اور جو دولت اسلام سے بھی مشرف ہوئے۔ یہ اس بات کی طرف ایک نہایت لطیف اشارہ ہے کہ اس دودھ میں جتنا مکھن تھا وہ یہ نکل آیا ہے۔ اب جو بچ رہا ہے وہ صرف چھاچھ ہے۔ ان کی بابت فرمایا کہ یہ لوگ اپنا وہ اجر خدا کے ہاں پائیں گے جو ان کے لیے خاص ہے۔ پھر تسلی دی کہ یہ خیال نہ کریں کہ اس اجر کے ملنے میں بہت دیر ہے۔ جب یہ اجر ملے گا تو یہ معلوم ہو گا کہ یہ پسینہ خشک ہونے سے پہلے ہی مل گیا۔ اِنَّ اللّٰهَ سَرِيْعُ الْحِسَابِ جب تسلی کے موقع پر آتا ہے تو اس کا یہی مفہوم ہوتا ہے۔

يٰٓاَيُّھَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اصْبِرُوْا وَصَابِرُوْا وَرَابِطُوْا ۣ وَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ (۲۰۰)

آخری ہدایات

یہ اس سورہ کی آخری آیت ہے جس میں خاتمۂ کلام کے طور پر وہ تمام بنیادی ہدایات جمع کر دی گئی ہیں جو شریعت کے حقوق ادا کرنے اور ان حالات و مشکلات سے عہدہ برا ہونے کے لیے ضروری تھیں جن میں مسلمان گھرے ہوئے تھے۔ یہ ہدایات چار چیزیں اختیار کرنے اور ان پر مضبوطی کے ساتھ جمع رہنے کے لیے ہیں۔

صبر

پہلی چیز صبر ہے۔ اس لفظ پر سورہ بقرہ کی تفسیر میں ہم بڑی تفصیل کے ساتھ گفتگو کر چکے ہیں۔ اس لفظ کی اصل روح کسی حق پر اپنے آپ کو مزاحمتوں کے مقابل میں جمائے رکھنا ہے۔ عام اس سے کہ یہ مزاحمتیں خود اپنے اندر سے سر اٹھائیں یا خارج سے حملہ آور ہوں۔ اس خصلت کو پختہ کیے بغیر کوئی شخص کسی چھوٹے سے چھوٹے حق کا بھی حق ادا نہیں کر سکتا۔

مصابرت

دوسری چیز مصابرت ہے۔ مصابرت کے معنی ہیں اپنے حریف کے مقابل میں ثابت قدمی کا مظاہرہ اور اس پر اس وصف میں بازی لے جانے کی کوشش کرنا۔ اس چیز کی تاکید اس موقع پر خاص طور سے اس وجہ سے کی گئی کہ اس مرحلے میں مسلمانوں اور ان کے دشمنوں کے درمیان عملاً مسلح کشمکش شروع ہو چکی تھی اور اس کشمکش میں آخری کامیابی اس گروہ کے لیے مقدر تھی جو

اپنے حریف پر استقلال و پامردی کے میدان میں بازی لے جا سکے۔ میدانِ جنگ میں فتح و شکست کا اصلی انحصار تعداد اور اسلحہ پر نہیں بلکہ اخلاق و کردار پر ہوتا ہے۔

تیسری چیز مرابطہ ہے۔ مرابطہ، ربط الخیل سے ہے۔ اس کا اصلی ابتدائی مفہوم دشمن کے مقابلے اور اپنی سرحدوں کی حفاظت کے لیے جنگی گھوڑے تیار کر رکھنا ہے۔ اب گھوڑوں کی جگہ ٹینکوں اور ہوائی جہازوں نے لے لی ہے اس وجہ سے حالات کی تبدیلی سے اس لفظ کا مفہوم بھی تبدیل ہو جائے گا۔ مصابرت کی ہدایت کے بعد یہ مرابطت کی ہدایت دشمن کے مقابلے کے لیے اخلاقی تیاری کے ساتھ ساتھ مادی تیاری کی ہدایت ہے۔

چوتھی چیز تقویٰ ہے۔ اس لفظ پر تفسیر سورہ بقرہ کے شروع میں ہم تفصیلی بحث کر چکے ہیں۔ خدا کے مقرر کردہ تمام حدود و قیود کی اخلاص و خشیت کے ساتھ نگرانی کرنا تقویٰ ہے۔ یہی چیز تمام دین کا خلاصہ اور مقصود ہے۔

فرمایا کہ مسلمانو، یہ چیزیں اختیار کرو تاکہ تم دنیا اور آخرت دونوں میں فلاح پاؤ۔

یہ آخری سطریں ہیں جو آلِ عمران کی تفسیر میں اس بے مایہ کو لکھنے کی توفیق ہوئی۔ اللہ تعالیٰ لغزشوں کو معاف فرمائے اور صحیح باتوں کے لیے دلوں میں جگہ پیدا کرے۔ واخر دعوانا ان الحمد للہ رب العلمین۔

جمعرات ۲۲ ربیع الثانی ۱۳۸۶ھ

—— ۱۱ اگست ۱۹۶۶ء

بقیہ مقدمہ

مجھے اپنے استاذ سے بھی اختلاف ہوا ہے میں نے بے جھجک اس کا بھی اظہار کر دیا ہے۔

اللہ تعالیٰ کی کتاب عزیز کی ایک نہایت ہی حقیر خدمت کی حیثیت سے اسے اس کے قدر دانوں کی خدمت میں پیش کر رہا ہوں۔ اس وقت میرے دل میں جو جذبات ہیں ان کی تعبیر سے میرا قلم قاصر ہے۔ اللہ تعالیٰ اس ناچیز خدمت کو قبول فرمائے، لغزشوں اور کوتاہیوں کو معاف فرمائے، اللہ کے بندوں اور بندیوں کو اس سے نفع پہنچے اور آخرت میں یہ میری نجات کا ذریعہ بنے۔ واخر دعوانا ان الحمد للہ رب العلمین۔

❀

افاداتِ فراہیؒ

خالد مسعود

مصائب اور تکالیف کا سرچشمہ

(اس مضمون کے حواشی مصنف علیہ الرحمۃ کے ہیں)

جاننا چاہیے کہ دنیا کے واقعات جن کا تذکرہ سنتے ہو یا تاریخ میں جنہیں پڑھتے ہو، ایک ظاہری اور ایک باطنی پہلو رکھتے ہیں۔ ان کا ظاہری پہلو تو یہ ہے کہ ایک قوم دوسری قوم پر غالب ہو جاتی ہے اور انسانوں کو خیر یا شر، آسودگی یا محتاجی اور عروج یا زوال کے الٹ پھیر کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ رہا باطنی پہلو تو اس کی دو توجیہیں کی گئی ہیں ایک سیدھی اور حق ہے دوسری ٹیڑھی اور باطل۔ ٹیڑھی اور باطل توجیہ تو یہ ہے کہ واقعات کا تعلق بالکل غلط اسباب کے ساتھ جوڑ دیا جائے اور ان کو محض اتفاق پر محمول کیا جائے گویا کہ دنیا کے معاملات میں نہ کوئی حکمت ہے نہ خیر اور انسانوں کا قافلہ کسی منزل کی طرف نہیں بلکہ کسی گہری تاریکی یا عمیق گڑھے کی طرف پیش قدمی کر رہا ہے۔ اس کے برعکس سیدھی توجیہ یہ ہے کہ نفع و ضرر اور عزت و ذلت کے تمام واقعات کا تعلق خدا کی مشیت کے ساتھ جوڑا جائے اور ان کے ایسے اسباب معلوم کئے جائیں جو خدا کی مشیت کے ساتھ مربوط کئے جانے کے لائق ہوں۔ علم تاریخ کی یہ قسم ہمیں صرف کتب مقدسہ میں ملتی ہے۔ اگر تورات اور انبیاء کے صحیفوں پر نظر ڈالو تو دیکھو گے کہ قوموں کو اچھے یا برے جو حالات پیش آئے ان کو یہ صحیفے قوم کی اطاعت یا نافرمانی کی کسی حالت کی طرف منسوب کرتے ہیں۔ قرآن مجید کے بیان کردہ قصوں میں بھی یہ حقیقت ملحوظ رکھی گئی ہے۔ یہ تمام تر عبرت و نصیحت ہیں اور ہمیں اعمال کی جزا کی یاد دہانی کراتے ہیں۔ قرآن نے متعدد آیات میں واقعات کی اس بنیاد کو اچھی طرح واضح کیا ہے۔

سورہ رعد میں فرمایا۔

اِنَّ اللّٰہَ لَا یُغَیِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتّٰی یُغَیِّرُوْا	"بے شک خدا اس معاملے کو نہیں بدلتا جو
مَا بِاَنْفُسِھِمْ وَاِذَآ اَرَادَ اللّٰہُ بِقَوْمٍ	ایک قوم کے ساتھ ہوتا ہے جب تک کہ وہ
سُوْٓءًا فَلَا مَرَدَّ لَہٗ وَمَا لَھُمْ مِّنْ	اپنے سلوک کو نہ بدل ڈالیں اور جب خدا
دُوْنِہٖ مِنْ وَّالٍ ھُوَ الَّذِیْ یُرِیْکُمُ	ایک قوم کو مصیبت پہنچانے کا ارادہ کر
الْبَرْقَ خَوْفًا وَّطَمَعًا وَّیُنْشِئُ السَّحَابَ الثِّقَالَ	لیتا ہے تو پھر اس کے پھرنے کا موقع نہیں

الثِّقَالَ وَيُسَبِّحُ الرَّعْدُ بِحَمْدِهٖ وَالْمَلٰٓئِكَةُ مِنْ خِيْفَتِهٖ وَيُرْسِلُ الصَّوَاعِقَ فَيُصِيْبُ بِهَا مَنْ يَّشَآءُ وَهُمْ يُجَادِلُوْنَ فِي اللّٰهِ وَهُوَ شَدِيْدُ الْمِحَالِ ۝ (رعد ۱۱ - ۱۳)

ہوتا اور خدا کے مقابل میں ان کا مددگار کوئی نہیں ہوتا۔ وہی تو ہے جو تمہیں ڈرانے اور امید دلانے کے لئے برق دکھاتا ہے اور بھاری بادل اٹھاتا ہے اور رعد اور فرشتے اسی کے خوف سے حمد کے ساتھ اس کی تسبیح کرتے ہیں اور وہ بجلیاں بھیجتا ہے پھر جس پر چاہتا ہے ان کو گرا دیتا ہے جب کہ وہ خدا کے بارے میں جھگڑ رہے ہوتے ہیں اور وہ بڑی ہی قوت والا ہے۔"

یعنی جب لوگ اپنا عمل بدل ڈالتے ہیں اور بھلائی کا رستہ ترک کر دیتے ہیں تو اللہ تعالےٰ اگر ان کو اس کے نتائج کا مزہ چکھانے کا فیصلہ کرے تو کسی کے بس میں یہ بات نہیں ہوتی کہ کسی حیلہ یا تدبیر سے اس کو پھیر دے یا لوگوں کو خدا کے عذاب سے بچالے۔ اس کے بعد یہ واضح کیا کہ تمام تصرفات کا اختیار خدا کو ہے اور تمام قوتیں اسی کے قبضہ میں ہیں۔ اس حقیقت کو ثابت کرنے کے لئے بہت ہی روشن مثالیں پیش کر کے بتایا کہ خدا نے ان قوتوں کو خیر اور شر دونوں کا حامل بنایا ہے اور جس پر کوئی آفت آتی ہے وہ اللہ کی مشیت ہی کے تحت آتی ہے۔ یہیں سے ہم نے یہ جانا کہ بحیثیت مجموعی کسی قوم کو یا فرداً فرداً اشخاص کو جن حالات سے سابقہ پیش آتا ہے ان کے پیچھے خدا کی مشیت کارفرما ہوتی ہے۔ اس مضمون کو آیت اِنَّ اللّٰهَ لَا يُغَيِّرُ مَا بِقَوْمٍ کے آغاز میں کھول دیا ہے۔ وہاں یہ الفاظ آتے ہیں۔

لَهٗ مُعَقِّبٰتٌ مِّنْۢ بَيْنِ يَدَيْهِ وَمِنْ خَلْفِهٖ يَحْفَظُوْنَهٗ مِنْ اَمْرِ اللّٰهِ

اس کے آگے اور پیچھے اللہ کے امر کے نگران مقرر ہیں جو اس کی حفاظت کرتے ہیں۔

یہاں اپنی مشیت اور افراد کے ساتھ اپنے معاملہ کے تعلق کو دوبارہ کھولا ہے جہاں تک خدا کے عام تصرف کا تعلق ہے اس کا بیان متعدد آیات میں ملتا ہے، یہاں ان کے پیش کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔

اسی طرح سورہ روم آیت ۴۱ میں فرمایا۔

ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ بِمَا كَسَبَتْ اَيْدِي النَّاسِ لِيُذِيْقَهُمْ بَعْضَ الَّذِيْ عَمِلُوْا لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ

فساد غالب ہو گیا خشکی اور تری میں بوجہ لوگوں کے اعمال کے، تاکہ خدا ان کو ان کے بعض عملوں کا مزہ چکھائے شاید کہ وہ رجوع کریں۔

اس آیت میں یہ بتایا کہ یہ عذاب ان پر اس مصلحت کے لئے نازل ہوا کہ وہ برائیوں سے رجوع کر لیں اور امر واقع ہے بھی یہی جیسا کہ ہم آگے بتائیں گے۔

سورہ شوریٰ کی آیت ۳۰ میں بھی یہی مضمون بیان ہوا ہے۔ فرمایا

وَمَآ اَصَابَكُمْ مِّنْ مُّصِيْبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتْ اَيْدِيْكُمْ وَيَعْفُوْا عَنْ كَثِيْرٍ ۝

اور جو مصیبت تمہیں پہنچتی ہے یہ تمہارے ہی ہاتھوں کی کمائی ہے اور وہ بہت سے گناہ تو معاف ہی کر دیتا ہے۔

یہاں انہی آیات کا حوالہ کافی ہوگا۔ قرآن میں یہ بات بکثرت کہی گئی ہے کہ امتوں کے احوال ان کے اعمال کے مطابق تھے البتہ اس فصل کو ختم کرنے سے پہلے ہم قرآن مجید کی اس دلیل کا ذکر کریں گے جو اس نے یہ ثابت کرنے کے لئے پیش کی ہے کہ دنیا کے تمام امور، خواہ وہ نفس انسانی سے تعلق رکھتے ہوں یا اس کے باہر سے، خدا کی حکمت کے مطابق انجام پاتے ہیں۔ اگرچہ یہ حکمت کبھی کبھی غافلوں پر مخفی رہتی ہے۔ یہ دلیل سورہ روم میں یوں بیان ہوئی ہے۔

الٓمّٓ ۝ غُلِبَتِ الرُّوْمُ ۝ فِيْٓ اَدْنَى الْاَرْضِ وَهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ غَلَبِهِمْ سَيَغْلِبُوْنَ ۝ فِيْ بِضْعِ سِنِيْنَ لِلّٰهِ الْاَمْرُ مِنْ قَبْلُ وَمِنْۢ بَعْدُ وَيَوْمَئِذٍ يَّفْرَحُ الْمُؤْمِنُوْنَ ۝ بِنَصْرِ اللّٰهِ يَنْصُرُ مَنْ يَّشَآءُ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ ۝ وَعْدَ اللّٰهِ لَا يُخْلِفُ اللّٰهُ وَعْدَهٗ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝ يَعْلَمُوْنَ ظَاهِرًا مِّنَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَهُمْ عَنِ

یہ الف لام میم ہے۔ رومی قریب کے ملک میں مغلوب ہو گئے اور وہ مغلوب ہونے کے بعد چند ہی سالوں میں غالب ہو جائیں گے۔ پہلے اور پیچھے امر اللہ ہی کا ہے[1] اور اس روز مومن اللہ کی طرف سے خوش ہو جائیں گے وہ جسے چاہتا ہے نصرت عطا کرتا ہے اور وہ عزیز و رحیم ہے۔ یہ اللہ کے وعدے کے مطابق ہوگا وہ اپنے وعدہ کی خلاف ورزی نہیں کرتا لیکن اکثر لوگ نہیں[3]

[1] یعنی اللہ کے حکم سے ان کے دشمن ان پر غالب ہوئے اور اسی حکم سے وہ بھی اپنے دشمنوں پر غالب آئیں گے۔

[2] یعنی وہ ایسا زبردست ہے کہ کوئی اس کی مخالفت میں کھڑا نہیں ہو سکتا لیکن وہ امور کی تدبیر رحمت کے مطابق کرتا ہے۔ حکمت و مصلحت سے مراد خدا کی یہی رحمت ہے۔

[3] یعنی اس امر کو نہیں جانتے کہ نصرت اللہ کے اختیار میں ہے اور اسی کی مشیت کے مطابق ظاہر ہوتی ہے۔ خدا کا یہ وعدہ عام بھی ہے اور اس موقع کے لئے خاص بھی تھا۔

الْاٰخِرَةِ هُمْ غٰفِلُوْنَ اَوَلَمْ يَتَفَكَّرُوْا
فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ مَا خَلَقَ اللّٰهُ السَّمٰوٰتِ
وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَآ اِلَّا بِالْحَقِّ
وَاَجَلٍ مُّسَمًّى وَاِنَّ كَثِيْرًا مِّنَ
النَّاسِ بِلِقَاۗئِ رَبِّهِمْ لَكٰفِرُوْنَ ۝
اَوَلَمْ يَسِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَيَنْظُرُوْا
كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ
كَانُوْٓا اَشَدَّ مِنْهُمْ قُوَّةً وَّاَثَارُوا
الْاَرْضَ وَعَمَرُوْهَآ اَكْثَرَ مِمَّا عَمَرُوْهَا
وَجَاۗءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ فَمَا
كَانَ اللّٰهُ لِيَظْلِمَهُمْ وَلٰكِنْ كَانُوْٓا
اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ (روم ۹۱)

جانتے یہ دنیا کی ظاہری زندگی ہی کو جانتے ہیں اور آخرت سے غافل ہیں[1]۔ کیا انہوں نے اپنے آپ میں غور نہیں کیا کہ خدا نے آسمانوں اور زمین اور ان کے درمیان کی ہر چیز کو نہیں بنایا مگر ایک مقصد کے ساتھ اور ایک متعین مدت تک کے لئے اور بیشک بہت سے لوگ اپنے رب کی ملاقات کے منکر ہیں[2]۔ کیا یہ ملک میں چلے پھرے نہیں کہ دیکھتے کہ ان لوگوں کا انجام کیا ہوا جو ان سے پہلے تھے۔ وہ قوت میں ان سے کہیں زیادہ تھے، انہوں نے زمین کو جوتا اور اس کو اس سے بھی زیادہ آباد کیا جتنا انہوں نے اسے آباد کیا اور ان کے پاس ان کے رسول واضح نشانیاں لے کر آئے سو اللہ ان پر ظلم کرنے والا نہ تھا بلکہ وہ خود ہی ظلم کرتے تھے[3]

پس تاریخی واقعات کے سمجھنے میں صحیح تعلیم یہی ہے۔ جس شخص کی نظر محض ظواہر تک ہی محدود رہے اور وہ تاریخی واقعات کو اخلاق کے ساتھ نہ جوڑے اس کی محنت اس علم میں بیکار ہے۔ یہ شخص بھی اسی طرح کے دھوکے میں پڑا رہیگا

[1] یہاں بے خبر جاننے کی علت کا بیان ہے۔ کہ آخر وہ کیوں نہیں سمجھ سکتے کہ اللہ ہی نصرت عطا کرنیوالا ہے اور جو غلبہ پاتا ہے اسی کے حکم سے غلبہ پاتا ہے پھر اسی امر کو ایک کلی دلیل سے واضح کیا جو آگے کی آیت میں ہے

[2] یعنی جب خدا نے کوئی چیز عبث نہیں بنائی اور ایک غور کرنے والا شخص ہر چیز میں حکمت کے آثار دیکھتا ہے تو یہ کیونکر ممکن ہے کہ کسی قوم کا عروج و زوال بغیر کسی مقصد و مصلحت کے ہو البتہ یہ عالم چونکہ حوادث اور تخلیق کا عالم ہے اور یہاں ایک امر کے بعد دوسرا امر واقع ہوتا اور ایک سبب سے اس کا اثر پیدا ہوتا ہے اس لئے لازم ہے کہ اس میں وقت لگے اور دو امور کے مابین مدت حائل ہو لیکن یہ تمام مدتیں خدا کی مقرر کی ہوئی ہیں پھر تمام حوادث کے واقع ہونے کے بعد پورا معاملہ خدا کو لوٹ جاتا ہے اور کوئی چیز اس سے بچ نہیں سکتی بیشتر لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ یہ سارے حوادث خدا کے ہاتھ میں نہیں ہے یہ مان کر یہ لوگ گویا خدا کی ربوبیت ہی کے منکر ہو جاتے ہیں۔ یہ عقلی دلیل بیان کرنے کے بعد اس پر تاریخی شہادت پیش فرمائی ہے جو اگلی آیت میں ہے۔

[3] یہاں واضح کیا کہ ان کی سزا ان کے اعمال ہی کا نتیجہ تھی اور خدا کی یہ شان نہیں کہ اپنے بندوں کو ظلم کا نشانہ بنائے۔

مقالات

مولانا صدرالدین اصلاحی

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا منصب

اور

منکرین حدیث کے ایک اعتراض کا جواب

(۲)

قاضی و حاکم

رسول اللہ ﷺ کو قرآن مجید نے قاضی، حاکم، آمر، ناہی، محلل اور محرم سب کچھ بتایا ہے اس لئے آپ کے فیصلہ اور حکم کی وہی حیثیت ہے جو خدا کے حکم اور فیصلہ کی ہے۔ اگر کتاب الٰہی کے صریح فیصلہ میں کسی بحث و کلام کی گنجائش نہیں ہے تو رسول کا فیصلہ بھی ہر قسم کے شک شبہ سے پاک ہے کیونکہ آپ کتاب کے اصول و کلیات سے صحیح مسائل اور درست نتائج اخذ کرتے تھے اور خدا نے آپ کو علم و حکمت اور نور نبوت سے سرفراز کیا تھا اس لئے آپ کا فیصلہ غلط اور باطل نہیں ہو سکتا۔ دو اشخاص کے مابین جزئی اور شخصی نزاعات میں قرآن کی جانب سے کوئی وحی نہیں آتی تھی تو رسول اپنے فہم و ادراک اور اراءت الٰہی سے جو فیصلہ دیتا تھا وہی نافذ و جاری ہوتا تھا خدا نے فرمایا ہے:

اِنَّآ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ
لِتَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ بِمَآ اَرٰىكَ
اللّٰهُ (نساء - ۱۰۵)

"ہم نے تیری طرف کتاب حق کے ساتھ اتاری تاکہ تو لوگوں کے درمیان اس چیز کے مطابق فیصلہ کرے جو اللہ نے تمہیں سوجھائی ہے"

خدا اور رسول دونوں کے فیصلوں کی حیثیت مساوی ہے اور کسی صاحب ایمان کو ان کے مقابلہ میں اپنی مرضی کو دخل دینے اور اپنے فیصلہ کو ترجیح دینے کا کوئی حق نہیں۔

وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّلَا مُؤْمِنَةٍ اِذَا قَضَى اللّٰهُ وَ
رَسُوْلُهٗٓ اَمْرًا اَنْ يَّكُوْنَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ
مِنْ اَمْرِهِمْ وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ
فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًا مُّبِيْنًا (احزاب ۳۶)

کسی مومن مرد و عورت کا یہ کام نہیں کہ جب اللہ اور اس کے رسول کسی بات کا فیصلہ کر دیا تو ان کو اپنے معاملہ کا کوئی اختیار ہے اور جو اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کی وہ کھلی گمراہی میں پڑے۔

یعنی جس طرح قضائے الٰہی کے سامنے ایک صاحبِ ایمان کے لئے کوئی راہِ فرار نہیں اسی طرح رسول کے فیصلہ کی پابندی بھی اس کے لئے ناگزیر ہے اور دونوں کے فیصلوں سے سرتابی ایسی شدید معصیت ہے جس کا انجام کھلی ضلالت اور گمراہی ہے۔

دوسری جگہ "ایمان کامل" کا معیار یہ بتایا گیا ہے کہ:۔

فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ حَتّٰى يُحَكِّمُوْكَ	سو قسم ہے تیرے رب کی یہ لوگ مومن نہ ہوں
فِيْمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوْا فِيْٓ	گے جب تک کہ تجھیں اس جھگڑے میں منصف
اَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوْا	نہ بنائیں جوان میں اٹھے پھر نہ پائیں اپنے جی
تَسْلِيْمًا (نساء ۶۵)	میں تنگی تیرے فیصلہ سے اور قبول کریں خوشی

یہاں خدا کے فیصلہ کا کوئی ذکر اس لئے نہیں کیا گیا ہے کہ رسول کا فیصلہ بھی من جانب خدا ہے اس لئے گویا وہ بھی خدا کا فیصلہ ہے اور دونوں یکساں قابل احترام اور واجب الاتباع ہیں۔ اب اسی کے ساتھ ومن لم یحکم بما انزل اللہ فاولئک ھم الکافرون (الآیہ) کو بھی ملا کر پڑھیئے تو نتیجہ کے اعتبار سے دونوں میں کوئی فرق نہ معلوم ہوگا کیونکہ ایک جگہ خدا کے نازل کردہ احکام کے مطابق فیصلہ نہ کرنے اور چاہنے والوں کو کافر اور دوسری جگہ رسول سے معاملات کا تصفیہ نہ کرانے اور اس کی ہدایت کے مطابق فیصلہ نہ چاہنے والوں کو غیر مومن کہا گیا ہے۔ ایمان اور نفاق کا خاص امتیاز بھی یہی بتایا گیا ہے کہ مومنین کو خدا اور رسول کے حکم و فیصلہ کو مان لینے میں کوئی تامل نہیں ہوتا اور منافقین کو تامل اور سخت بیزاری ہوتی ہے۔

ہادی اور امام

رسول کریم تمام مسلمانوں کے ہادی، رہنما اور امام ہیں اور جس طرح امام کی اقتدا اور اس کی باتوں کی تعمیل ضروری خیال کی جاتی ہے اسی طرح نبی اکرم بھی امام اور رہبر ہیں اس لئے ان کے احکام کی اقتداء ضروری ہے کیونکہ وہ قرآن کے اسرار و حکم کے عارف اور اس کے اصلی ادا شناس ہیں۔ بلکہ دنیا کے اور علوم و فنون میں ائمہ کی تحقیقات اور ماہرین فن کے انکشافات غلط اور صحیح دونوں ہو سکتے ہیں اس لئے ان کی رہنمائی ناقابل اطمینان ہوتی ہے لیکن رسول معصوم ہے اور اس کی رہنمائی پر بلا خوف و خطر اطمینان اور بھروسہ کیا جا سکتا ہے۔ دنیا کے سیاسی لیڈر اور قائد خود غرض ہو سکتے اور ہوتے ہیں اور اپنے ذاتی مفاد کے لئے سب کو دھوکہ اور فریب دے کر انہیں وادیٔ ضلالت میں گرا سکتے ہیں لیکن انبیاء علیہم السلام حکمت و بصیرت الٰہی سے نوازے جاتے ہیں اور ان کی بعثت کا مقصد ہی ہدایت و اصلاح ہوتا ہے اس لئے وہ تمام معاملات میں صرف صحیح اور سچے راستے کی رہنمائی کرتے ہیں اور کبھی لوگوں کو ضلالت اور گمراہی کی تلقین نہیں کر سکتے۔

عام لوگوں کی ہدایت و رہنمائی کا معاملہ اس قدر اہم ہے کہ خدا نے ہر قوم و جماعت کے اندر اپنے برگزیدہ بندوں کو بھیجا جو لوگوں کو ہدایت و حق پرستی کی دعوت دیتے تھے۔ آنحضرت صلعم بھی اپنی بعثت و نبوت سے پہلے ہدایت و اصلاح کی راہ کی تلاش میں سرگرداں تھے اور خدا نے آپ کو ہدایت عطا کی خدا نے خود ہی سے اعلان کرایا کہ۔

قُلْ اِنَّنِيْ هَدٰىنِيْ رَبِّيْٓ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ	کہہ دو کہ بے شک میرے پروردگار نے
دِيْنًا قِيَمًا مِّلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ حَنِيْفًا وَمَا	مجھے سیدھے راستہ کی ہدایت کی ہے یعنی
كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ	سیدھے دین ملت ابراہیم کی جو ہر طرف سے
(انعام ۱۶۲)	کٹا اور مشرکوں میں سے نہ تھا۔

جب آپ کی تعلیم و دعوت پر اعتراضات کئے جاتے تو خدا کی طرف سے اطمینان دلایا جاتا تھا کہ تم صحیح راستے پر ہو اس لئے ان کے اعتراضات سے دل برداشتہ ہونے کی ضرورت نہیں۔

اِنَّكَ لَتَهْدِيْٓ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ	بلاشبہ تم سیدھے راستہ کیطرف بلاتے ہو
صِرَاطِ اللّٰهِ الَّذِيْ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ	جو اس اللہ کا راستہ ہے جس کے لئے آسمانوں
وَالْاَرْضِ (شوریٰ ۵۲، ۵۳)	اور زمین کا سب کچھ ہے

جس طرح قرآن سراپا ہدایت و موعظت ہے اسی طرح اس کا حامل بھی ہادی و رہنما اور وہ قرآن کی بتائی ہوئی راہ ہدایت پر گامزن اور اسی کی دعوت دیتا ہے۔

هُوَ الَّذِيْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى	"وہی اللہ ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت
وَدِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ	اور دین حق کے ساتھ بھیجا تاکہ اسے سارے
كُلِّهٖ (صف ۹)	دینوں پر غالب کردے۔"

غور کیجئے جو شخص ہدیٰ (قرآن) کا حامل اور دین حق کا نمائندہ اور علمبردار ہو اس سے راہ حقیقت کس طرح اوجھل ہو سکتی ہے اور وہ لوگوں کو ضلالت و گمراہی کی طرف کیوں لے جائیگا۔ مشرکین عرب کو بھی آپ کے ہدایت یافتہ ہونے کا یقین تھا۔

وَقَالُوْٓا اِنْ نَّتَّبِعِ الْهُدٰى مَعَكَ	انہوں نے کہا اگر ہم نے تیرے ساتھ ہدایت
نُتَخَطَّفْ مِنْ اَرْضِنَا (قصص، ۵)	اختیار کی تو اپنی زمین سے اچک لئے جائینگے

حتیٰ کہ ہدایت اور دین حق کے سابق نمائندے اور مشرکین و منافقین سبھی آپ کے برحق ہونے کے متعلق اچھی طرح آگاہ تھے لیکن اس کے باوجود اپنی ضد اور عناد کی وجہ سے مخالفت کے درپے تھے چنانچہ فرمایا

إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا وَصَدُّوا عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ وَشَاقُّوا الرَّسُولَ مِنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمُ الْهُدَىٰ لَنْ يَضُرُّوا اللَّهَ شَيْئًا وَسَيُحْبِطُ أَعْمَالَهُمْ (محمد ۳۲)

بلاشبہ جن لوگوں نے کفر کیا اور اللہ کی راہ سے باز رکھا اور ہدایت کے واضح ہو جانے کے بعد بھی رسول کی مخالفت کی وہ ہرگز اللہ کو کوئی نقصان نہ پہنچائیں گے اور اللہ ان کے اعمال ضائع کر دے گا۔

یہی وجہ ہے کہ قرآن نے ان کے ضد و عناد کو دیکھ کر آپ کو بتایا کہ آپ ایسے لوگوں کو ہدایت نہیں دے سکتے، آپ ہادی و راہنما ضرور ہیں لیکن جو لوگ قبول ہدایت کی صلاحیت کھو چکے ہیں ان کو ہدایت پر لگا دینا آپ کا کام نہیں۔

إِنَّكَ لَا تَهْدِي مَنْ أَحْبَبْتَ وَلَٰكِنَّ اللَّهَ يَهْدِي مَنْ يَشَاءُ وَهُوَ أَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِينَ (قصص ۵۶)

تو اسے ہدایت نہیں دے سکتا جسے چاہتا ہے بلکہ اللہ ہدایت دیگا جسے چاہے اور وہ خوب جانتا ہے ان لوگوں کو جو ہدایت پانے والے ہیں

مطاع و مقتدیٰ

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم چونکہ خدا کے آخری پیغمبر اور سارے انسانوں کے لئے رحمت بنا کر بھیجے گئے تھے اور آپ تمام لوگوں کی اصلاح و ہدایت کے لئے مامور تھے اسلئے خدا نے سب پر آپ کی اطاعت اور اتباع کو لازمی قرار دیا ہے اور کسی حال میں بھی اس سے دستکش ہونے کا حکم نہیں دیا ہے اور حقیقت یہ ہے کہ نبی کی سب سے اہم خصوصیت یہی ہے اور اس کے بغیر اس کی نبوت و رسالت کے اقرار کا حق نہیں ادا ہو سکتا۔ آپ کی ذات ستودہ صفات کو اسوۂ حسنہ اسی لئے کہا گیا ہے کہ آپ کی ہر ادا ہر طور طریقہ اور ہر نقل و حرکت قابل اتباع اور لائق تقلید ہے آپ جو کچھ حکم دیں اسے بلا تامل اختیار و قبول کرنا اور جس سے منع کریں اس سے بلا تکلف باز آجانا ضروری تھا چنانچہ اللہ تعالےٰ کا ارشاد ہے۔

مَا آتَاكُمُ الرَّسُولُ فَخُذُوهُ وَمَا نَهَاكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوا (حشر ۷)

جو کچھ رسول نے تمہیں دیا ہے اسے اختیار کرو اور جس سے وہ روکے اس سے رک جاؤ۔"

قرآن مجید کی متعدد آیات میں جس طرح خدا کی اطاعت کا مطالبہ کیا گیا ہے اسی طرح رسول کی اطاعت کا بھی حکم دیا ہے اور نہ صرف حکم بلکہ اسی پر نجات و فلاح کو موقوف بتایا گیا ہے۔ سورۂ نساء میں نکاح طلاق اور وراثت وغیرہ کے اصولی مسائل، قوانین اور ضوابط کی تفصیل کرنے کے بعد کہا گیا۔

تِلْكَ حُدُودُ اللَّهِ وَمَنْ يُطِعِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ يُدْخِلْهُ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِنْ

یہ اللہ کے حدود ہیں اور جس نے اللہ اور اس کے رسول کی بات مانی تو اللہ اسے ایسے باغوں

تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا وَذَٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ (نساء ۱۳)

میں داخل کرے گا جن کے نیچے نہریں ہونگی اور وہ ہمیشہ ان باغوں میں رہیں گے اور یہ بڑی کامیابی ہے۔"

اس آیت سے ایک اہم حقیقت یہ سامنے آتی ہے کہ خدا نے وراثت کے جو مسائل بیان کئے ہیں ان کے مطابق عمل کرنا ضروری ہے اور ان مسائل کی نبی کی جانب سے ان کے علاوہ جو مزید تشریح و وضاحت ہوگی وہ بھی اسی طرح قابل اتباع اور لائق عمل ہوگی کیونکہ اگر قرآن کے بیان کردہ مجمل قواعد و قوانین ہی کافی اور ان کی اطاعت و اتباع ہی ضروری ہوتی تو پھر من یطع اللہ کے ساتھ ورسولہ کا اضافہ غیر ضروری تھا، اس اضافہ نے یہ ثابت کر دیا کہ ان مسائل میں نبی جو کچھ تشریح کریگا بلکہ ان سے الگ بھی اگر کوئی مزید حکم دے گا تو اسے بھی تسلیم کرنا اور ماننا پڑیگا اور یہ ماننا اس لئے بھی ضروری ہے کہ فوز و فلاح اور اخروی کامیابی کا انحصار اسی پر ہے۔ دوسری جگہ فرمایا۔

وَمَنْ يُطِعِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ فَقَدْ فَازَ فَوْزًا عَظِيمًا (احزاب ۷۱)

اور جس نے اللہ اور اس کے رسول کی بات مانی اس نے بڑی کامیابی پائی۔

ایک اور جگہ فرمایا۔

وَمَنْ يُطِعِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَيَخْشَ اللَّهَ وَيَتَّقْهِ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْفَائِزُونَ (نور ۵۲)

"اور جس نے اللہ اور اسکے رسول کی بات مانی اور اللہ سے ڈرا اور اس کا تقوےٰ اختیار کیا تو در اصل یہی لوگ کامیاب ہوں گے۔"

راہ ہدایت کے باز ہونے اور ضلالت کے دروازوں کے مسدود ہونے کی صورت بھی اتباع نبی میں ہے

فَآمِنُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ النَّبِيِّ الْأُمِّيِّ الَّذِي يُؤْمِنُ بِاللَّهِ وَكَلِمَاتِهِ وَاتَّبِعُوهُ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُونَ (اعراف ۱۵۸)

پس اللہ پر اور اس کے رسول یعنی نبی امی پر ایمان لاؤ جو اللہ اور اس کے کلمات پر ایمان رکھتا ہے اور اس کی اتباع کرو تاکہ تم ہدایت پاؤ

بندۂ خدا کے انعام و اکرام کا مستحق اور آخرت میں شہدا اور صالحین کی معیت و رفاقت کا حقدار بھی اسی طرح ہو سکتا ہے کہ وہ خدا کے رسول کے احکام کی پیروی کرے۔

وَمَنْ يُطِعِ اللَّهَ وَالرَّسُولَ فَأُولَٰئِكَ مَعَ الَّذِينَ أَنْعَمَ اللَّهُ عَلَيْهِمْ مِنَ النَّبِيِّينَ وَالصِّدِّيقِينَ وَالشُّهَدَاءِ وَالصَّالِحِينَ وَحَسُنَ أُولَٰئِكَ

"جس نے اللہ اور رسول کی بات مانی تو وہ ان لوگوں کے ساتھ ہوگا جن پر اللہ نے انعام کیا ہے یعنی نبیوں صدیقین شہدا اور صلحا کے ساتھ

رَفِيْقًا ۝ (نساء ۶۸)
اور یہ لوگ کتنے اچھے رفیق ہیں۔

خدا کے لطف و توجہ اور رحمت و عنایت کا مرکز بننے کے لئے بھی رسول کی پیروی اور اطاعت لازمی ہے۔

وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ (آل عمران ۱۳۲)
"اور اللہ اور رسول کی بات مانو تاکہ تم پر رحم کیا جائے۔"

دوسری جگہ یہود اور قدیم کتب ربانی کے حاملین سے کہا گیا ہے کہ اب عذاب الٰہی سے محفوظ رہنے اور خدا کا مرکز توجہ بننے کی صرف ایک ہی شکل ہے

قَالَ عَذَابِيْٓ اُصِيْبُ بِهٖ مَنْ اَشَاۗءُ ۚ وَرَحْمَتِيْ وَسِعَتْ كُلَّ شَيْءٍ ۭ فَسَاَكْتُبُهَا لِلَّذِيْنَ يَتَّقُوْنَ وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَالَّذِيْنَ هُمْ بِاٰيٰتِنَا يُؤْمِنُوْنَ ۝ اَلَّذِيْنَ يَتَّبِعُوْنَ الرَّسُوْلَ النَّبِيَّ الْاُمِّيَّ الَّذِيْ يَجِدُوْنَهٗ مَكْتُوْبًا عِنْدَهُمْ فِي التَّوْرٰىةِ وَالْاِنْجِيْلِ (اعراف ۱۵۷)
کہا میرا عذاب ہو گا جسے میں چاہوں گا اور میری رحمت ہر چیز کو عام ہے اور میں اسے ان لوگوں کے لئے لکھوں گا جو تقویٰ اختیار کرتے اور زکوٰۃ دیتے اور ہماری آیتوں پر ایمان رکھتے ہیں۔ وہ لوگ جو پیروی کرتے ہیں رسول کی وہ جو نبی امی ہے جسے انہوں نے اپنے یہاں توراۃ و انجیل میں لکھا پایا ہے۔

یہی نہیں بلکہ ایمان کا اصلی مظہر اور اس کا دار و مدار اطاعت و اتباع رسول پر ہے۔

اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ (انفال ۱)
"اور اللہ اور رسول کی بات مانو اگر تم ایمان والے ہو"

اور عدم اطاعت و اتباع رسول سے ایمان سلب اور آدمی کافر ہو جاتا ہے۔

قُلْ اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ ۚ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْكٰفِرِيْنَ (آل عمران ۳۲)
کہہ دو کہ اللہ اور رسول کی بات مانیں اور اگر انہوں نے اعراض کیا تو اللہ کافروں کو پسند نہیں کرتا۔

غور فرمائیے اس آیت کا اس کے علاوہ اور کیا منشاء ہو سکتا ہے کہ اطاعت الٰہی اور اطاعت رسول سے انحراف کا دوسرا نام کفر ہے اور خدا کے غیظ و غضب میں مبتلا ہو جانا ہے۔ اسی لئے اہل ایمان کو خدا و رسول کی دعوت پر ہمیشہ لبیک اور اس کی پکار پر گوش بر آواز ہونا چاہیئے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اسْتَجِيْبُوْا لِلّٰهِ وَ
اے ایمان والو! اللہ اور رسول کا جواب دو

الرَّسُوْلِ اِذَا دَعَاكُمْ لِمَا يُحْيِيْكُمْ (انفال ۲۴)
جب وہ تمہیں اس چیز کی طرف بلائیں جس سے وہ تمہیں زندہ کر دیں۔

اور لبیک کہنے میں ذرا بھی مداہنت اور کوتاہی نہ ہونی چاہیئے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَلَا تَوَلَّوْا عَنْهُ وَاَنْتُمْ تَسْمَعُوْنَ (انفال ۲۰)
اے ایمان والو اللہ اور رسول کی بات مانو اور سن کر اس سے روگردانی نہ کرو۔

جو لوگ اطاعت رسول سے فرار کی راہیں ڈھونڈھتے ہیں انہیں سخت وعید سنائی جاتی ہے۔

وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَاحْذَرُوْا ۚ فَاِنْ تَوَلَّيْتُمْ فَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَا عَلٰي رَسُوْلِنَا الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ (مائدہ — ۹۵)
اور اللہ اور رسول کی بات مانو اور بچتے رہو (نافرمانی سے) کیونکہ اگر تم نے اعراض کیا تو جان لو کہ ہمارے رسول کا ذمہ صرف پہنچا دینا ہے کھول کر۔

اللہ و رسول کی اطاعت سے فرار اور گریز کا لازمی نتیجہ ہلاکت، انتشار اور باہم اختلاف و تنازع ہے جس سے قومی استحکام درہم برہم اور اجتماعی قوت و شوکت پاش پاش ہو جاتی ہے اس لئے قوت، تنظیم اور استحکام حاصل کرنے کے لئے اس مرکز پر جمع ہونا ضروری ہے

وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَلَا تَنَازَعُوْا فَتَفْشَلُوْا وَتَذْهَبَ رِيْحُكُمْ (انفال ۴۶)
"اور اللہ اور اس کے رسول کا حکم مانو اور آپس میں نہ جھگڑو کہ کمزور ہو جاؤ اور تمہاری ساکھ جاتی رہے۔"

اسی طرح انسان کی ساری نیکیاں اور اعمال اکارت ہو جاتے ہیں اگر وہ رسول کا متبع نہیں ہے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَلَا تُبْطِلُوْٓا اَعْمَالَكُمْ (محمد ۳۳)
اے ایمان والو! اللہ اور رسول کا حکم مانو اور اپنے اعمال باطل نہ کرو (ان کی نافرمانی سے)

خدا کی اطاعت کی طرح رسول کی اطاعت بھی اس قدر ضروری اور مقدم ہے کہ تمام انبیاء نے اول اول اپنی قوموں کو توحید کی طرح اس کی بھی تعلیم دی ہے۔ سورۃ شعراء میں کئی نبیوں کی اس بنیادی تعلیم کا ذکر ہے۔

فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوْنِ
پس اللہ سے ڈرو اور میری بات مانو۔

رسول کی اطاعت و اقتدا اس لئے بھی ضروری ہے کہ وہ خدا اور بندوں کے مابین واسطہ ہے۔ اور اس کی اتباع و اطاعت کا مطلب خدا ہی کی اتباع و اطاعت ہے اور حق یہ ہے کہ اطاعت رسول کے بغیر

اطاعتِ الٰہی کا حق ادا نہیں ہو سکتا۔

وَمَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ ۚ وَمَنْ تَوَلّٰى فَمَآ اَرْسَلْنٰكَ عَلَيْهِمْ حَفِيْظًا (نساء - ۷۹)

اور جس نے رسول کا کہا مانا اس نے گویا خدا کا کہا مانا اور جس نے انکار کیا تو ہم نے تم کو ان پر حفیظ نہیں بنایا ہے

یہی وجہ ہے کہ محبت و اطاعت الٰہی کا دارومدار اتباعِ رسول کو قرار دیا گیا ہے

قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ (آل عمران ۳۱)

کہہ دو کہ اگر تم لوگ اللہ سے محبت کرتے ہو تو میری بات مانو اللہ تم کو محبوب رکھے گا۔ اور تمہارے گناہ بخش دے گا۔

صلح حدیبیہ میں جو لوگ آپ کے ہاتھ پر اقرار و اطاعت کی بیعت کر رہے تھے ان کے متعلق کہا گیا ہے کہ وہ درحقیقت خدا سے بیعت کر رہے ہیں۔

اِنَّ الَّذِيْنَ يُبَايِعُوْنَكَ اِنَّمَا يُبَايِعُوْنَ اللّٰهَ ۭ يَدُ اللّٰهِ فَوْقَ اَيْدِيْهِمْ (فتح ۹)

"جو لوگ تم سے بیعت کر رہے ہیں وہ اصل میں اللہ سے بیعت کرتے ہیں اللہ کا ہاتھ ان کے ہاتھ پر ہے"

یہ وہ آیات تھیں جن میں اطاعت رسول کا صریح مطالبہ ہے اب ذرا منفی پہلو ملاحظہ ہو کہ جو لوگ اطاعت رسول سے فرار کی راہیں ڈھونڈھتے ہیں ان کا انجام کیا ہوگا۔

اوپر گزر چکا ہے رسول کی اطاعت ہی میں نجات اور اخروی کامیابی کی ضمانت ہے اسی طرح انکار و عدم اطاعت کا لازمی نتیجہ ابدی ناکامی اور عذاب الیم ہے۔

وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ يُدْخِلْهُ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ۚ وَمَنْ يَّتَوَلَّ يُعَذِّبْهُ عَذَابًا اَلِيْمًا (فتح ۱۶)

جس نے اللہ اور اس کے رسول کی بات مانی اللہ ایسے ایسے باغوں میں داخل کرے گا جن کے نیچے نہریں ہوں گی اور جس نے انکار کیا اسے دردناک عذاب دے گا۔

اطاعت رسول کے بغیر اگر کوئی شخص خدا کی رحمت و توجہ کا مرکز نہیں بن سکتا تو اس کی نافرمانی سے وہ خدا کے غضب اور جہنم کے دردناک عذاب سے بھی نہیں بچ سکتا

وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَيَتَعَدَّ حُدُوْدَهٗ يُدْخِلْهُ نَارًا خَالِدًا فِيْهَا ۠ وَلَهٗ عَذَابٌ

جس نے اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کی اور اس کے حدود سے آگے بڑھا تو اللہ اسے ایسی آگ میں ڈالے

مُّهِيْنٌ (نساء ۱۴)

گا جس میں وہ ہمیشہ رہے گا اور اس کے لئے رسوا کن عذاب ہوگا۔

نیز

وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَاِنَّ لَهٗ نَارَ جَهَنَّمَ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا (جن - ۲۳)

جس نے اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کی اس کیلئے جہنم کی آگ ہوگی اور وہ ہمیشہ اس میں رہے گا۔

اوپر یہ بھی گذرا ہے کہ خدا اور رسول کی اطاعت سے ہدایت کے دروازے وا ہو جاتے ہیں اسی طرح انکی نافرمانی کرکے آدمی گم کردہ راہ اور شقی ہو جاتا ہے

وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًا مُّبِيْنًا

جس نے اللہ اور رسول کی نافرمانی کی تو وہ کھلی گمراہی میں چلا گیا۔

معصیت رسول اتنا بڑا جرم ہے کہ اس کے متعلق کسی طرح کی سازش اور اسکیم نہیں کی جانی چاہیئے

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا تَنَاجَيْتُمْ فَلَا تَتَنَاجَوْا بِالْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ وَمَعْصِيَتِ الرَّسُوْلِ (مجادلہ ۹)

اے ایمان والو جب تم نجوای کرو تو گناہ زیادتی اور رسول کی نافرمانی کا نجوی نہ کرو۔

اسی طرح جو لوگ خدا اور اس کے رسول کے احکام نہیں مانتے اور ان کے خلاف ہر قسم کی سازشیں کرتے ہیں اور ہر وقت انکی عداوت و مخالفت کے لئے کمربستہ رہتے ہیں ان کے متعلق کہا گیا ہے۔

اِنَّ الَّذِيْنَ يُحَآدُّوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ كُبِتُوْا كَمَا كُبِتَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ (مجادلہ - ۵)

بیشک جو لوگ اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت کرتے ہیں وہ ویسے ہی رسوا کئے جائیں گے جس طرح ان سے پہلے کے لوگ رسوا کئے گئے۔

اسی سورہ کے آخر میں ایمان و نفاق کا فرق بیان کرتے ہوئے مومنین کا نمایاں وصف یہ بتایا گیا ہے کہ وہ خدا اور اس کے رسول کے دشمنوں سے کوئی سمجھوتہ یا رشتہ محبت قائم نہیں رکھتے اور نہ ان سے کسی طرح کے تعلقات باقی رکھتے ہیں چاہے وہ ان کے بھائی بند، باپ بیٹے اور اعزہ و اقارب ہی کیوں نہ ہوں غرضیکہ رسول کے خلاف کسی قسم کی سازش یا اس کے احکام کی مخالفت برداشت نہیں کی جا سکتی اور اسطرح کے مجرمین کو نہایت سخت سزا دینے کی وعید سنائی گئی ہے۔

ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ شَآقُّوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ۚ وَمَنْ يُّشَاقِقِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَاِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ (انفال ۱۳)

یہ اس لئے کہ انہوں نے اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت کی ہے اور جو اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت کرے گا اس کے لئے سخت عذاب ہوگا۔

جو اپنے طرز عمل سے یا رسول کے مقام و شان کرکے دکھ پہنچاتے ہیں ان کے متعلق فرمایا۔

اِنَّ الَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ لَعَنَهُمُ

بیشک جو لوگ اللہ اور اس کے رسول کو تکلیف دیتے ہیں

اللّٰہُ فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَۃِ وَاَعَدَّ لَھُمْ عَذَابًا مُّھِیْنًا (احزاب ۵۷)
ان پر اللہ نے دنیا و آخرت میں لعنت کیا اور ان کے لئے رسوا کن عذاب ہوگا

اس بحث میں سب سے زیادہ اہم درج ذیل آیت ہے:۔

یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِیْعُوا اللّٰہَ وَاَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِی الْاَمْرِ مِنْکُمْ فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِیْ شَیْءٍ فَرُدُّوْہُ اِلَی اللّٰہِ وَالرَّسُوْلِ اِنْ کُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰہِ ... (نساء ۵۹)
اے ایمان والو اللہ اور رسول کا حکم مانو اور اپنے اولوالامر کا بھی اگر تم کسی چیز میں مختلف ہو جاؤ تو اسے اللہ و رسول کی طرف لوٹاؤ اگر تم اللہ اور روز آخر پر ایمان رکھتے ہو۔

اس آیت کا خطاب تمام تر مسلمانوں سے ہے اور اس بات کے لئے کوئی دلیل موجود نہیں ہے کہ اس میں صرف ان مسلمانوں کا ذکر ہے جو نزول آیت کے وقت موجود تھے بلکہ ہر زمانہ اور ہر خطہ کے مسلمانوں کو یہ اصولی ہدایت اور بنیادی دستور دیا جا رہا ہے دوسری چیز اس آیت سے یہ بھی ظاہر ہوتی ہے کہ اس میں اگرچہ تین طرح کی اطاعتوں کا تذکرہ ہے لیکن اولوالامر کی اطاعت مستقل بالذات نہیں ہے اسی لئے کہا گیا کہ اگر ان کے کسی حکم کے متعلق اختلاف ہو تو اسے اللہ و رسول کی طرف لوٹا کر دیکھ لو کہ صحیح اور غلط کیا ہے اور رسول کی اطاعت خدا کی اطاعت کی طرح مستقل بالذات ہے اس لئے اس کو اسی طرح سے بیان کیا گیا ہے جس طرح اطاعت الٰہی کو اور اس میں ردّ و اشتباہ کا کوئی سوال ہی نہیں۔

اللہ و رسول کی اطاعت کا مطلب اب جبکہ کتاب کے نزول کا سلسلہ موقوف ہو چکا ہے اور آنحضرت صلعم زندہ نہیں رہے یہ ہوگا کہ اللہ کی کتاب اور رسول کی سنت کی پیروی کی جائے ان کے احکام و قوانین اور اقوال و اعمال کا تتبع کیا جائے اور یہ ایمان باللہ اور ایمان بالآخرت کا لازمی تقاضا ہے اس لئے جو لوگ رسول اور خدا کی اطاعت سے فرار کی راہیں ڈھونڈھتے ہیں ان کے ایمان و اسلام کا اعتبار نہیں وہ نہ تو خدا سے ڈرتے ہیں اور نہ روز جزاء پر یقین رکھتے ہیں۔ اس کے علاوہ رسول کے اور بھی گوناگوں مناصب بتائے گئے ہیں مثلاً شہید و شاہد شفیع و شافع۔ ضیاء و سراج مبین وغیرہ لیکن ان سب کی تفصیل موجب طوالت تھی اور اس کی وہ حیثیتیں ایک حد تک ان حیثیتوں میں شامل ہیں اس لئے انکو قلم انداز کیا جاتا ہے۔

اس مبحث کی وضاحت میں اس قدر طوالت اور تمام تر قرآنی آیات سے شواہد قصداً اس لئے پیش کئے گئے ہیں کہ منصب رسالت و نبوت کے ثبوت ہی پر حدیثوں کی حجیت و استناد کا تحقق موقوف ہے، اس سے یہ اچھی طرح ظاہر ہو گیا کہ جو لوگ رسول کی اطاعت اور عمل بالسنت کا انکار کرتے اور بزعم خود خدا کی اطاعت اور عمل بالکتاب کے مدعی بنتے ہیں وہ کس قدر دین اور کتاب و سنت سے ناواقف اور کھلی گمراہی میں مبتلا ہیں۔ ان کے پاس نہ تو عقلی دلائل ہی ہیں اور نہ کتاب و سنت کا کوئی ثبوت و سند ہی ہے اور حقیقت تو یہ ہے کہ جب اطاعت رسول ترک نے اور اس کی حدیثوں کو نہ ماننے کا ہی تہیہ کر لیا گیا ہو تو ہر قسم کے دلائل و شواہد بیکار ہیں لیکن کاش یہ حضرات آج ہی اس حقیقت کو اچھی طرح محسوس کر لیتے ورنہ انکو عالم آخرت میں حسرت و افسوس کا اظہار کرنا پڑے گا۔

تحریک جماعت اسلامی (۲)

اسرار احمد

نقضِ غزل (۵)

وَلَا تَکُوْنُوْا کَالَّتِیْ نَقَضَتْ غَزْلَھَا مِنْ بَعْدِ قُوَّۃٍ اَنْکَاثًا[1] (النحل ۹۲)

[اس سلسلۂ مضامین کے ضمن میں یہ وضاحت پیش نظر رہے کہ اس میں جماعت اسلامی کی تاریخ کے جس اہم مگر مخفی باب ورواس کی "روداد" کے جس ضروری مگر غیر مطبوعہ "حصے" کو پیش کیا جا رہا ہے — اور خصوصاً واقعات و حوادث کی جو توجیہہ پیش کی جا رہی ہے وہ راقم الحروف کا ذاتی نقطۂ نظر ہے — اسے کسی گروہ یا بہت سے افراد کی متفقہ ترجمانی نہ سمجھا جائے — اسرار احمد]

ماچھی گوٹھ

ع آسماں تیری لحد پہ شبنم افشانی کرے!

۱۹۵۳ء میں لاہور کے ایک مشہور صحافی نے جماعت اسلامی کے بارے میں لکھا تھا:۔
"کیا عجب کہ یہ تحریک بھی جو پٹھان کوٹ سے شروع ہوئی ہے بالاکوٹ پر ختم ہو جائے"!

راقم الحروف کو جو اس وقت اسلامی جمعیت طلبہ کا رکن اور اس کے ایک پندرہ روزہ پرچے "عزم" کا مدیر تھا، اتفاق سے انہی دنوں 'بالاکوٹ' کے سفر کا موقع ملا۔ شہداء کی قبروں پر فاتحہ خوانی کے وقت ذہن اچانک مندرجہ بالا خیال کے جانب منتقل ہو گیا۔ اس کے جواب میں جو جذبات دل میں پیدا ہوئے وہ الفاظ کا جامہ پہن کر صفحۂ قرطاس پر منتقل ہو گئے

"اگر واقعی ایسا ہو جائے تو کیا یہ ناکامی ہوگی؟ ——————
کون کہہ سکتا ہے کہ ہندوستان کی پہلی اسلامی تحریک ناکام ہوئی؟ .... بالاکوٹ کا ذرہ ذرہ شہادت دے رہا ہے کہ جنہوں نے یہاں نقد حیات ہاری ہے ان سے زیادہ نفع میں کوئی نہیں جنہوں نے یہاں جانیں دی ہیں وہی ہیں کہ جو حیات جاوداں پا گئے۔ بالاکوٹ کی پشت پر کھڑا ایک مہیب پہاڑ شہادت دے رہا ہے کہ اس نے جو معرکہ آج سے سوا سو سال قبل اپنے دامن میں

[1] ترجمہ: اس عورت کے مانند نہ ہو جاؤ جس نے محنت و مشقت سے کاتے ہوئے سوت کو خود ہی ٹکڑے ٹکڑے کر دیا۔

ہوتا دیکھا تھا اس سے زیادہ کامیاب معرکہ ہندوستان میں اسلام نے کبھی نہ لڑا۔ کنہار کی اچھلتی کودتی موجیں گواہی دیتی ہیں کہ جس خون نے آج سے سوا سو سال قبل انہیں سرخی عطا کی تھی۔ وہی ہے کہ جس نے ہند میں اسلام کے پودے کو سینچا ہے۔ بالاکوٹ کی فضا کانوں میں سرگوشیاں کرتی ہے کہ اس کے سہمے سہمے سکوت میں درختوں کے جھنڈ تلے جو چند نفوس آرام کر رہے ہیں۔ وہی ہیں جو ہند میں مزاجِ ملت کے نگہبان تھے۔ وہی ہیں جو ہار کر جیتے جن کی شکست میں کامرانی پوشیدہ تھی۔ جن کی شہادت میں حیاتِ جاوداں مسکرا رہی تھی .... وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِينَ قُتِلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَمْوَاتًا بَلْ أَحْيَاءٌ عِندَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُونَ ۝ فَرِحِينَ بِمَا آتَاهُمُ اللَّهُ مِن فَضْلِهِ وَيَسْتَبْشِرُونَ بِالَّذِينَ لَمْ يَلْحَقُوا بِهِم مِّنْ خَلْفِهِمْ أَلَّا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ۝ يَسْتَبْشِرُونَ بِنِعْمَةٍ مِّنَ اللَّهِ وَفَضْلٍ وَأَنَّ اللَّهَ لَا يُضِيعُ أَجْرَ الْمُؤْمِنِينَ ۝

(ماخوذ از "سوم" ، ۱۰؍اگست [illegible])

کاش واقعۃً جماعتِ اسلامی پاکستان کی تاریخ کسی بالاکوٹ کے مقامِ بلند تک پہنچ کر ختم ہوئی ہوتی —— تاکہ اس کی یاد سے آنے والی نسلوں کے دلوں میں ایمان تازہ ہوتا اور جذبۂ اعلائے کلمۃ اللہ کے چشمے ابلتے رہتے —— لیکن افسوس کہ اس کے برعکس یہ تحریک ریگ زارِ بہاولپور کے ایک دور افتادہ قریے ماچھی گوٹھ میں ایک ریگستانی ندی کی طرح جذب ہو کر رہ گئی۔ جہاں اس کے قائد نے اپنی بہترین صلاحیتیں اپنے ان دیرینہ ساتھیوں سے خیالی نبرد آزمائی میں صرف کیں جو کچھ اپنے خلوص کے باعث اور کچھ انتشار کے خوف کی بنا پر شکست کھانے کے لیے از خود تیار تھے —— اور اس نبرد آزمائی میں 'حکمتِ عملی' کی مہارتِ تامہ کے ساتھ پس پردہ مصالحت اور بر سرِ عام دعوتِ مبارزت کا وہ کھیل کھیلا جس کی یاد بھی سخت نفرت انگیز اور کراہت آمیز ہے!

قائم مقام امیر جماعت کی ہدایات

مصالحت کنندگان، اجتماع ماچھی گوٹھ کو جس جذبے کے تحت منعقد کرنا چاہتے تھے اس کا اندازہ اس سرکلر سے کیا جا سکتا ہے جو قائم مقام امیر جماعت کے دستخط سے ۱۷ جنوری ۱۹۵۷ء کو جاری ہوا۔

"بسم اللہ الرحمٰن الرحیم"

رفقائے محترم ——! شوریٰ کے منعقدہ ماہ نومبر ۵۶ء کے بعد ہماری جماعتی زندگی میں بعض ایسے واقعات

نمودار ہوئے ہیں جن کے واقع ہونے کی توقع نہ ہم کو تھی اور نہ جماعت کے باہر کے لوگوں کو تھی ان واقعات سے بعض جگہ جماعت کا داخلی استحکام بھی متاثر ہوا ہے اور باہر کے لوگوں کی نگاہوں میں بھی ان سے جماعت کا وقار مجروح ہوا ہے۔ جو لوگ ہم سے حسنِ ظن رکھتے تھے اور اس ملک کی اصلاح سے متعلق ہم سے امیدیں قائم کئے ہوئے تھے ان پر دل شکستگی اور مایوسی طاری ہوتی ہے اور جن کو ہم سے مخالفت تھی ان کو خوش ہونے اور ہمارے خلاف بدگمانیاں پھیلانے کا کافی مواد ان چند ہفتوں میں ہاتھ آیا ہے۔

میں سارے حالات کا جائزہ لینے کے بعد اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ یہ جو کچھ پیش آیا ہے اس کا بہت تھوڑا حصہ ہے جس کے پیش آنے کے لئے فی الواقع کوئی وجہ موجود تھی۔ اس کا بڑا حصہ ایسا ہے جس کے پیش آنے کی کوئی ادنیٰ وجہ بھی موجود نہیں تھی بلکہ چند لوگوں کی محض ناسمجھی، بے احتیاطی اور بدگمانی نے اس کے اسباب فراہم کر دیئے ہیں بعض لوگوں نے شوریٰ کی کارروائیوں سے متعلق بالکل غلط اور بے بنیاد تاثرات دیئے۔ بعض لوگوں نے قرارداد کے متن کی ایسی تاویل کرنے کی کوشش کی جو اس کے منشاء کے خلاف تھی۔ بعضوں نے شوریٰ کے ارکان کی طرف غلط باتیں منسوب کرنے سے بھی دریغ نہیں کیا۔ ایسی مثالیں بھی موجود ہیں کہ بعض مقامات پر ذمہ داروں نے اپنے حقوق و اختیارات کے استعمال میں جلد بازی اور بے احتیاطی سے کام لیا۔ اسی طرح بعض نے شدتِ تاثر میں اپنے جذبات پبلک پر ظاہر کر دیئے۔ ان ساری باتوں نے مل کر چند دنوں کے لئے جماعت کے مزاج کو اس طرح بگاڑ دیا کہ لوگوں کے ذہن ہر طرح کی باتیں قبول کرنے اور ہر طرح کی باتیں پھیلانے کے لئے بالکل بے قید ہو گئے اور شریعت اور اخلاق کے حدود کی بھی پرواہ بہت کم ہو گئی یہ اللہ کا احسان ہے کہ یہ صورت ایک خاص رقبہ ہی کے اندر محدود رہی اور زیادہ متعدی نہ ہونے پائی تاہم ان چند ہفتوں کے اندر جو باتیں ہوئی ہیں وہ ہماری شفاف جماعتی زندگی کو داغدار کرنے والی ہیں اور اب ہم سب کا یہ فرض ہے کہ ہم ان داغوں کو مٹانے کی کوشش کریں اور آئندہ کے لئے اس طرح کی باتوں سے محفوظ رہنے کا عہد کریں

میں اس موقع پر ارکانِ جماعت کو چند ہدایات کرتا ہوں اور متوقع ہوں کہ وہ بلا تاخیر ان کا اہتمام کریں گے۔

۱۔ ہر شخص جس سے اس موقع پر کوئی دانستہ یا نادانستہ بے احتیاطی صادر ہوئی ہے وہ اپنے آپ کو کوئی الاؤنس دیئے بغیر توبہ و استغفار کرے اور اپنے رویہ کی اصلاح کا عہد کرے

۲- جس نے اپنے کسی دوسرے رفیق کے خلاف کوئی بات زبان سے نکالی ہو وہ از خود کھلے دل سے اس سے معافی مانگ لے اور دوسرا کھلے دل سے اس کو معاف کر دے۔

۳- اس سلسلہ کی ساری باتوں کو نسیاً منسیاً کر دیا جائے۔ نہ نجی مجلسوں میں ان کا کوئی چرچا کیا جائے نہ جماعتی اجتماعات میں ان کا کوئی ذکر ہو۔

۴- جہاں جہاں دلوں میں کدورتیں پیدا ہوئی ہوں وہاں اجتماعی تقریبات کے مواقع پیدا کر کے دلوں کے ملانے اور خوشگوار تعلقات بڑھانے کی صورتیں نکالی جائیں اور اس کام میں وہ ارکان رہنمائی کا فرض انجام دیں جو خوش قسمتی سے اس موقع پر ان آلائشوں سے پاک رہے ہیں۔

۵- جماعت کی پالیسی سے متعلق بحث و مباحثہ بند کر کے ساری توجہ تعمیری و اصلاحی کاموں پر مرکوز کی جائے اور پالیسی و طریق کار کی بحث کو ہونے والے اجتماع ارکان پر چھوڑ دیا جائے۔

۶- مقامی طور پر کارکنوں کی تربیت کے لئے انتظام کیا جائے۔

میں تمام رفقاء سے یہ توقع رکھتا ہوں کہ وہ ان ہدایات پر خلوص کے ساتھ عمل اور جماعت کو اس کی صحیح سمت میں موڑنے میں میرے ساتھ تعاون کریں گے۔ میری دلی دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں شیطان کے فتنوں سے امان میں رکھے اور ہم اپنے دماغ، زبان اور قلم کی ساری طاقتیں اس کے دین کی خدمت میں صرف کرنے کی توفیق پائیں۔

جن مقامات پر ضرورت محسوس ہو وہاں ان باتوں کو متفقین تک بھی پہنچا دیا جائے۔

(دستخط) غلام محمد

قائم مقام امیر جماعت اسلامی پاکستان"

حزبِ اقتدار کی تیاریاں

اس کے برعکس مولانا مودودی اور ان کے سیکرٹریٹ نے اس 'معرکے' کو سر کرنے کے لیئے جو تیاریاں کیں ان کا اندازہ مولانا امین احسن اصلاحی کے حسب ذیل بیان سے کیا جا سکتا ہے۔

" پالیسی کے معاملہ میں ساری جماعت کو تو کوئی گفتگو کرنے سے روک دیا گیا۔ لیکن خود امیر جماعت پوری دھوم دھام کے ساتھ ترجمان اور تسنیم میں پالیسی سے متعلق اپنا نقطۂ نظر پیش کرتے رہے۔ اس مقصد کے لیے شوریٰ کی وہ کاروائیاں بھی شائع کی گئیں۔ جن کی اشاعت شوریٰ کی اجازت کے بغیر جائز نہیں تھی اور بعض اشخاص کے خلاف غلط تاثر دینے

کے لیے ان کے دوران بحث کی نجی باتوں کی بھی تشہیر کی گئی۔ اس دوران میں امیر جماعت نے ترجمان میں یہ اصول بھی پیش فرمایا کہ نظریاتی حکمت اور ہوتی ہے اور عملی حکمت اور ہوتی ہے جو لوگ ان کے قول و عمل کے تضاد پر اعتراض کرتے ہیں وہ اس رمز کو نہیں جانتے کہ نظریہ جب عمل کا جامہ پہنتا ہے تو اس کی شکل کیا بنتی ہے اس فلسفہ کو مدلل کرنے کے لیے ایک مثال بھی پیش کی گئی کہ دیکھو نبی صلے اللہ علیہ وسلم زندگی بھر مساوات کا درس دیتے رہے لیکن وفات کے وقت الائمہ من قریش کہہ کر خلافت اپنے خاندان والوں کے سپرد کر گئے"!

حقیقی عزائم

ان تیاریوں کے پیچھے جو عزائم کارفرما تھے ان کا کسی قدر اندازہ اس گفتگو سے کیا جا سکتا ہے جو ماچھی گوٹھ کے لیے روانگی کے موقع پر مولانا مودودی اور چوہدری غلام محمد صاحب کے مابین ہوئی۔ یہ گفتگو راقم الحروف کو حکیم عبدالرحیم اشرف صاحب نے سنائی اور ان سے اس کا تذکرہ خود چوہدری صاحب نے ماچھی گوٹھ میں اس وقت کیا جب حکیم صاحب نے کسی بات پر مشتعل ہو کر اپنے اس ارادے کا اظہار کیا کہ وہ اجتماع ارکان میں اپنا اختلاف کھلم کھلا بیان کریں گے۔ — حکیم صاحب راوی ہیں کہ چوہدری صاحب نے مولانا مودودی سے سوال کیا کہ "مولانا! ماچھی گوٹھ میں کرنا کیا ہے؟" اس پر مودودی صاحب نے بے ساختہ فرمایا: "میں ان لوگوں سے تنگ آچکا ہوں اور اب مزید ان کے ساتھ نہیں چل سکتا۔ اب اس کے سوا اور کوئی چارۂ کار نہیں ہے کہ انہیں ذلیل کر کے جماعت سے نکال دیا جائے!" چوہدری صاحب کے لئے یہ بات بہت غیر متوقع تھی۔ چنانچہ پہلے تو وہ سکتے میں آگئے اور پھر انہوں نے ریل کے ٹکٹ مولانا کے سامنے پھینک دئے اور کہا "مولانا! یہ رہے ٹکٹ، آپ لوگ ماچھی گوٹھ جائیں اور جو چاہیں کریں۔ میں سیدھا کراچی جا رہا ہوں!" — اپنے اس غالی معتقد اور انتہائی معتمد علیہ رفیق کو آمادۂ بغاوت دیکھ کر جس کے ہاتھ میں اس وقت اتفاقاً بہت سے اختیارات بھی تھے مولانا مودودی نے کچھ توقف کیا اور پھر کہا — "اچھا تو پھر ان لوگوں کو ساتھ لے کر چلنے کی کوشش کریں گے"!

یہ واضح رہے کہ کچھ ہی دنوں پہلے مولانا مودودی 'حکمت عملی' پر ایک مبسوط تحریر لکھ کر شائع کر چکے تھے —!!

اجلاس مرکزی شوریٰ

اجتماع ارکان سے متصلاً قبل ماچھی گوٹھ ہی میں مرکزی مجلس شوریٰ جماعت اسلامی پاکستان کا ایک اجلاس منعقد ہوا۔ جس میں مولانا امین احسن اصلاحی بھی بطور خاص مدعو تھے۔

اس اجلاس میں کاروائی کی پہلی ہی شق پر ہنگامہ برپا ہو گیا اور میاں محمد طفیل صاحب نے بحیثیت معتمد

مجلسِ شوریٰ کے گذشتہ دو اجتماعات کی روداد پڑھ کر سنائی تو شوریٰ کی واضح اکثریت نے ان پر یہ الزام لگایا کہ انہوں نے شوریٰ کی کارروائی کو غلط طور پر پیش کیا ہے۔ اور وہ جماعت کے سب سے زیادہ بااختیار ادارے کے ریکارڈ میں تحریف کر کے جماعت کے ساتھ بدترین خیانت کے مرتکب ہوئے ہیں — اس پر میاں صاحب نے بقول شخصے "اپنے روائتی انداز میں" زار و قطار رونا شروع کر دیا — اور شوریٰ کی کارروائی میں تعطل پیدا ہوگیا۔

اس تعطل نے طول کھینچا اور اجتماعِ ارکان بالکل سر پر آپہنچا تو مخلص مصالحت کنندگان پھر برسرِکار ہوگئے اور ان کی کوششوں کے زیرِ اثر دوسری باتوں کو چھوڑ کر اس قرارداد پر غور شروع ہوا جو اجتماعِ ارکان میں پیش کرنے کے لئے مولانا مودودی نے مرتب فرمائی تھی! اس پر جو کچھ ہوا وہ مولانا امین احسن صاحب کے الفاظ میں سنیئے:

"اس اجلاس میں پہلی مرتبہ[1] وہ قرارداد میرے سامنے آئی جو امیر جماعت اجتماع عام میں جماعت کے سامنے لانے والے تھے اس قرارداد پر میں نے نہایت سخت الفاظ میں تنقید کی۔ میں نے شوریٰ کو بتایا کہ اگر آپ لوگ اس قرارداد کو اجتماع عام میں لائیں گے تو میں دسمبر والی شوریٰ کی قرارداد

[1] اس "پہلی مرتبہ" کے اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ اجتماع ماچھی گوٹھ سے قبل لاہور میں مصالحت کے سلسلے میں جو گفت و شنید ہوتی رہی تھی اس میں اولاً مولانا اصلاحی اس امر پر مصر رہے تھے کہ ماچھی گوٹھ کے اجتماعِ ارکان میں دسمبر ۱۹۵۶ء والی شوریٰ کی متفقہ قرارداد ہی استصواب کے لیے پیش کی جائے، لیکن جب مصالحت کنندگان، خصوصاً مولانا ظفر احمد انصاری صاحب نے مولانا سے استدعا کی کہ وہ اس پر اصرار نہ کریں۔ اس قرارداد کے ساتھ بہت سی تلخیاں وابستہ ہوگئی ہیں اور یہ اب مولانا مودودی کے ذاتی وقار (PRESTIGE) کا مسئلہ بن گیا ہے۔ آخر بعینہٖ اسی قرارداد پر کیا منحصر ہے، اگر وہی مفہوم دوسرے الفاظ میں ادا ہو جائے تو کیا حرج ہے، تو مولانا اصلاحی اس پر آمادہ ہوگئے کہ اسی مفہوم پر مشتمل کوئی دوسری قرارداد ماچھی گوٹھ کے اجتماعِ ارکان میں پیش کر دی جائے۔ مولانا ظفر احمد انصاری صاحب نے مولانا کو یہ یقین دلایا کہ مولانا مودودی ماچھی گوٹھ میں پیش ہونے والی قرارداد پہلے ہی انہیں دکھا دیں گے اور ان دونوں کے اتفاق کے بعد ہی کوئی قرارداد اجتماعِ ارکان میں پیش ہوگی — ان پختہ یقین دہانیوں کے بعد مولانا انصاری تو اچانک غائب ہوگئے اور پھر ان کی صورت ماچھی گوٹھ ہی میں نظر آئی! اور مولانا اصلاحی اس انتظار میں رہے کہ ماچھی گوٹھ میں پیش ہونے والی قرارداد انہیں دکھائی جائے گی — یہاں تک کہ اجتماع کا وقت آپہنچا اور مولانا اصلاحی قرارداد کی زیارت کا اشتیاق ہی لئے ہوئے ماچھی گوٹھ پہنچ گئے — اور وہاں شوریٰ کے اجلاس میں "پہلی مرتبہ" انہیں اس کی زیارت نصیب ہوئی!

جماعت کے سامنے پیش کروں گا اور امیر جماعت اور ان کے اصحاب نے اس قرارداد کو دفن کرنے کیلئے جو مہمیں چلائی ہیں اور جو اقدامات کئے ہیں وہ سب اجتماع عام میں بیان کروں گا۔ میرے یہ موقف اختیار کر لینے کے بعد شوریٰ میں تعطل پیدا ہوگیا۔ اس کے بعد اکثر ارکان شوریٰ مجھ سے ملے اور اس صورت حال کے پیدا ہو جانے پر اپنی پریشانی کا اظہار کیا۔ میں نے ان کو یہ بھی بتایا کہ میری تقریر کے وقت میرے ہاتھ میں قرآن ہوگا اور میں اپنے داہنے امیر جماعت کو بٹھاؤں گا اور بائیں قائم مقام امیر جماعت چوہدری غلام محمد صاحب کو۔ یہ دونوں حضرات میری جس بات کو کہہ دیں گے کہ یہ جھوٹ ہے۔ میں بغیر کسی حجت کے اس کو واپس لے لوں گا۔ مگر جماعت کے بزرگوں نے مجھے باصرار ایسا کرنے سے روکا کہ اس سے جماعت میں انتشار پیدا ہو جائے گا۔

بالآخر چوبیس گھنٹوں کے بعد باقر خان صاحب میرے پاس قرارداد لے کر آئے اور یہ کہا کہ امیر جماعت فرماتے ہیں کہ اگر تم اس میں کوئی لفظی ترمیم کرنا چاہتے ہو تو وہ تجویز کرو، اس پر غور کر لیا جائے گا لیکن کسی بنیادی ترمیم کی گنجائش نہیں ہے کیونکہ میری تقریر تیار ہو چکی ہے۔ کسی لفظی ترمیم سے میرا مدعا حاصل نہیں ہو سکتا تھا۔ اس وجہ سے اس پیش کش کو قبول کرنا میرے لئے ناممکن تھا۔ لیکن محض اس خیال سے میں نے ناممکن کو ممکن بنایا کہ امیر جماعت کی ضد کے باوجود میں کوئی ایسی بات کرنا پسند نہیں کرتا تھا۔ جس سے جماعت میں انتشار پیدا ہو۔ چنانچہ میں نے قرارداد میں بعض لفظی ترمیمات کر کے اس کو جماعت کے اصل نصب العین کے قریب بنانے کی کوشش کی۔ امیر جماعت اور شوریٰ نے کچھ ردّ و قدح کے بعد میری یہ ترمیم قبول کر لی[1]۔"

اس طرح خدا خدا کر کے تعطل دور ہوا اور کچھ بھلے لوگوں کی سر توڑ محنت سے بظاہر ایسی صورت بن گئی کہ اجتماعِ ارکان میں جماعت کی سابقہ اور آئندہ پالیسی کے بارے میں مرکزی مجلسِ شوریٰ کے جانب سے

[1] لیکن جیسا کہ بعد میں ثابت ہوا مولانا نے یہ ترمیم دل سے قبول نہ کی تھی بلکہ اسے صرف مصلحتِ وقت کا تقاضا سمجھ کر مجبوراً قبول کیا تھا۔ اس لئے کہ اس موقع پر ان کے فعّال نائبین میں سے ایک دوسری انتہائی اہم شخصیت یعنی — محمد باقر خان مرحوم آمادۂ بغاوت ہو گئے تھے! — ضرورت کے وقت خم کھا جانا — اور پھر موقع دیکھ کر خم ٹھونک کر میدان میں آ جانا مروجہ دنیوی سیاست کے اعتبار سے کامیابی کے ناگزیر لوازم میں سے ہے — یہ دوسری بات ہے کہ ؎

ایں حال نیست صوفیٔ عالی مقام را!

ایک متفقہ قرارداد مولانا مودودی پیش کریں گے ـ ساتھ ہی یہ بھی طے کر لیا گیا کہ اجتماعِ ارکان میں مولانا مودودی پر اظہارِ اعتماد کی قرارداد پیش کی جائے گی جس کی سب تائید کریں گے۔ چنانچہ مولانا اپنا استعفیٰ واپس لے لیں گے۔ انشاءاللہ خیر سلاّ ۔ رہے عام ارکانِ جماعت تو ان کے بارے میں غالباً یہ کافی خیال کیا گیا کہ انہیں کچھ رپورٹیں اور کچھ تقریریں سنوا کر رخصت کر دیا جائے، پالیسی سے متعلق اختلافی بحثوں میں انہیں الجھانے سے سوائے انتشار کے اور کچھ حاصل نہ ہوگا ـ!

اس طرح ایک مرتبہ پھر جماعت کے اربابِ حلّ و عقد میں جماعت کی پالیسی کے بارے میں 'اتفاق و اتحاد' پیدا ہو گیا ـ رہی یہ بات کہ یہ اتحاد سطحی تھا یا گہرا ـ اور حقیقی تھا یا مصنوعی تو ظاہر ہے کہ اس کا علم سوائے ارکانِ شوریٰ ـ (یا جماعت سے بالکل باہر کے ایک شخص یعنی مولانا انصاری) کے اور کسی کو نہ تھا۔ جماعت کے عام ارکان تو دور رہے ان لوگوں کے سامنے بھی جو ان مسائل میں پوری طرح الجھے ہوئے تھے لیکن رکنِ شوریٰ نہ تھے معاملے کی جو صورت آئی اس کا اندازہ ان الفاظ سے کیا جا سکتا ہے جو راقم الحروف نے بعد میں اپنے استعفے میں تحریر کئے:

"ابھی گوٹھ حاضر ہوا تو جس چیز کا خدشہ تھا وہی ہوا۔ کلہیا میں گڑ پھوڑا جا چکا تھا۔ ایک متفقہ قرارداد شوریٰ کی طرف سے اجتماعِ ارکان میں پیش ہونی تھی، اجتماع کا سارا پروگرام ایک سوچی سمجھی سکیم کے ساتھ اس طرح بنایا جا چکا تھا کہ اول تو کوئی اختلافی آواز اٹھائی ہی نہ جا سکے۔ اور اٹھے بھی تو پوری طرح محبوس ہو کر! میں یہاں منتظمین اجتماع کی نیتوں پر حملہ نہیں کرنا چاہتا۔ انہوں نے جو کچھ کیا انتہائی خلوص کے ساتھ 'اھون البلیتین' کے مشہور و معروف فلسفے کے تحت ایک بہت بڑے شر یعنی جماعت کے انتشار سے بچنے کے لئے کیا۔ لیکن یہ بھی بہرحال اپنی جگہ ایک واقعہ ہے کہ اجتماع کو جس طرح CONDUCT[2] کیا گیا اس میں کسی اختلافی آواز کا اٹھنا خصوصاً ایسی حالت میں کہ 'اکابرین' میں سے تو کوئی میدان میں رہا ہی نہیں تھا۔ چند بے وقعت 'اصاغرین' باقی تھے ممکن نہ تھا ...."

---

[1] ملاحظہ ہو راقم الحروف کا وہ خط جو اس نے قائم مقام امیرِ جماعت کے توسط سے مرکزی مجلسِ شوریٰ کو لکھا تھا اور جو دسمبر ۶۶ء کے 'میثاق' میں شائع ہو چکا ہے۔

[2] اس کی تفصیلات آئندہ بیان ہوں گی۔

اجتماعِ ارکان

ڈاکٹر عثمانی صاحب کا نعرۂ حق

اجتماعِ ارکان کی پہلی نشست کا آغاز ہوا ہی تھا کہ کراچی کے درویش منش رکن ڈاکٹر سید مسعودالدین حسن عثمانی دہائی دیتے ہوئے اٹھ کھڑے ہوئے اور انہوں نے مطالبہ کیا کہ سب سے پہلے انہیں اس کا موقع دیا جائے کہ وہ اپنی اس تحریر کو پڑھ کر سنا دیں جو انہوں نے قائم مقام امیرِ جماعت کے توسط سے مرکزی مجلسِ شوریٰ کو ارسال کی تھی۔ ڈاکٹر صاحب کی جرأتِ ایمانی کا مظاہرہ کچھ ایسے طریقے سے ہوا کہ منتظمینِ اجتماع نے بے چون و چرا ان کو اپنی تحریر پڑھ کر سنانے کی اجازت دے دی۔ ڈاکٹر صاحب نے اپنی اس تحریر میں مرکزی مجلسِ شوریٰ کے وسط جنوری کے اجلاس کے بعض فیصلوں سے شدید اختلاف کیا اور زیرِ انعقاد اجتماعِ ارکان کے سلسلے میں کچھ تجاویز پیش کیں، ساتھ ہی قیمِ جماعت کے اس بیان پر شدید تنقید کی جو انہوں نے سعید ملک صاحب کے بیان کے جواب میں دیا تھا اور مولانا مودودی کے اس اقدام کے سلسلے میں وضاحت طلب کی جو انہوں نے ارکانِ جائزہ کمیٹی کے خلاف کیا تھا۔

ڈاکٹر صاحب کا موقف یہ تھا کہ یہ طریقہ کہ امیرِ جماعت اجتماعِ جماعت کے آج تک کے اختیار کردہ طریقِ کار کی پوری تاریخ بیان کریں اور آئندہ کی پالیسی کے بارے میں ایک قرارداد پیش کریں جماعت کی سابقہ روایات کے بالکل خلاف ہے اور موجودہ حالات میں اس سے بدگمانی اور سوءِ ظن کا پیدا ہونا لازمی ہے اس کے برعکس ہونا یہ چاہئے کہ شوریٰ نومبر دسمبر ۵۶ء کی متفقہ قرارداد ہی کو اس اجتماعِ ارکان میں استصواب کے لئے پیش کیا جائے۔ ڈاکٹر صاحب کے اپنے الفاظ میں:

"اس زمانے میں جب کہ شیطان نے ہمارے داخلی استحکام کو منہدم کرنے کے لئے بھرپور حملہ کیا تھا اور جب کہ شیطان کو یہ موقع پوری طرح مل گیا تھا کہ وہ جماعت میں اعتماد اور حسنِ ظن کی فضا کو مسموم کر دے اس امر کی سخت ضرورت تھی کہ جماعت کے ہونے والے کل پاکستان اجتماع میں مسائل اور معاملات پیش کرنے کے لئے ایسا طریقِ کار تجویز کیا جاتا جو ہر شک و شبہ سے بالاتر ہوتا ..... لیکن مجلسِ شوریٰ کے تجویز کردہ طریقِ کار پر غور کرنے کے بعد ایسا محسوس ہوتا ہے کہ اس سلسلے میں غور و فکر کا پورا حق ادا ہونے سے رہ گیا ہے ..... ہم بہرحال اپنے اکابر کے سلسلے میں حسنِ ظن سے کام لینے کے عادی رہے ہیں لیکن حقیقت یہ ہے کہ موجودہ غیر معمولی حالات میں حسنِ ظن کی انتہائی حد کو کام میں لانے کے باوجود دل کو اطمینان حاصل نہیں ہوتا ......"

"یہ امر بھی انتہائی تشویش کا باعث ہے کہ مجلسِ شوریٰ نے اس قرارداد کو جو شوریٰ کے اجلاس منعقدہ

نومبر دسمبر میں پندرہ یوم کے غور و خوض کے بعد متفقہ طور پر منظور کی گئی تھی ارکان کے اجتماع کے آغاز سے کالعدم قرار دینے کا فیصلہ کر لیا۔ اس سلسلے میں جو وجوہ بیان کیے گئے ہیں وہ کسی طرح دل کو مطمئن نہیں کرتے۔۔۔۔۔ میری ناقص رائے میں اگر اب بھی اسی قرارداد کو ارکان کے اجتماع میں فیصلے کے لیے پیش کیا جائے تو یہ بہت ہی مناسب ہوگا۔۔۔۔۔۔"

اپنی تحریر کو پڑھتے ہوئے ڈاکٹر صاحب جذبات سے بہت زیادہ مغلوب ہو گئے اور شدتِ تاثر میں ان کی آواز بھی گلوگیر سی رہی۔ نتیجۃً ان کی بات عام ارکانِ جماعت میں سے تو شاذ ہی کسی کی سمجھ میں آئی۔ جبکہ وہ لوگ جن کا سمجھنا مفید ہو سکتا تھا تو وہ سب کچھ سمجھ کر بھی نہ سمجھنے کا تہیہ کیے ہوئے ہی تھے! بہرحال اپنی طرف سے ڈاکٹر صاحب نے اپنے اس فرض کو ادا کرنے کی بھرپور کوشش کی جس کے بارے میں خود ان کے الفاظ یہ ہیں:-

"حالات کی نزاکت کے پیشِ نظر میں اپنے آپ کو اس بات پر مجبور پاتا ہوں کہ اس فرض کی ادائیگی کے لیے اٹھ کھڑا ہوں جس کا اقرار میں نے جماعت کے ساتھ خدا کو حاضر ناظر جان کر کیا تھا۔۔۔۔۔۔
۔۔۔۔۔ ایک دن ضرور آئے گا کہ ظاہر و باطن سے سارے پردے اٹھ جائیں گے اور اس روز میں اپنی اس کوشش کو اپنے پروردگار کے سامنے رسوائی سے بچنے کا ذریعہ بناؤں گا۔"

آخرت میں ڈاکٹر صاحب اپنی اس حق گوئی کا جو اجر چاہیں پائیں، جماعت اسلامی پاکستان کے کل پاکستان اجتماعِ ارکان میں بہرحال ان کی کوئی شنوائی نہ ہوئی اور اجتماع کی کاروائی طے شدہ پروگرام کے مطابق جاری رہی۔ چنانچہ اس کے بعد قیم جماعت نے ایک مختصر رپورٹ پڑھ کر سنائی اور اجتماع کی ایک پوری نشست اس کے نذر ہو گئی۔

امیر جماعت پر اظہارِ اعتماد

قیم جماعت کی رپورٹ کے بعد سب سے پہلے مولانا مودودی پر اظہارِ اعتماد اور ان سے استعفیٰ واپس لینے کی درخواست پر مشتمل قرارداد پیش ہوئی اور اس پر دھواں دھار تقریروں کا سلسلہ شروع ہوا جو اکثر و بیشتر ان ہی مضامین پر مشتمل تھیں جو کسی بھی اظہارِ اعتماد کی قرارداد میں ہوتے ہیں یعنی مولانا مودودی کی تعریف و توصیف اور اقامتِ دین کیلئے ان کی سعی و جہد کو خراجِ تحسین اور ان کے تدبر اور فہم و فراست پر کامل اعتماد کا اظہار، اس خیال سے کہ جماعت کے اربابِ حل و عقد کے مابین اختلاف و انتشار کی خبروں سے جو تشویش عام ارکانِ جماعت کے قلوب و اذہان میں پیدا ہو گئی ہے اس کو کم کیا جائے اس قرارداد پر ان لوگوں سے بطورِ خاص تقریریں کرائی گئیں جن کے بارے میں مشہور تھا کہ ان کو مولانا مودودی سے اختلاف ہے ــــ ان حضرات

نے اگرچہ اپنی حد تک اپنی تقریروں میں محتاط الفاظ استعمال کیے ــــ اور بعض مواقع پر ذو معنی باتیں بھی کہیں جن کا اصل مفہوم یا وہ خود جانتے تھے یا مولانا مودودی اور یا وہ چند لوگ جو پورے پس منظر سے باخبر تھے۔ لیکن عام ارکان جماعت نے ان کو بہرحال ان کے ظاہری مفہوم ہی پر محمول کیا۔۔۔ اور یہی اس وقت سب کا مطلوب و مقصود بھی تھا ــــ

مولانا اصلاحی نے اس قرارداد پر جو تقریر کی وہ فنِ خطابت کا ایک حسین مرقع تھی اور اس میں ان کا تخاطب بظاہر تمام شرکائے اجتماع سے لیکن دراصل صرف مولانا مودودی سے تھا۔ اپنی اس تقریر میں مولانا نے دراصل مولانا مودودی کو اس امر پر سرزنش کی تھی کہ اقامتِ دین کے لئے لوگوں کو بلانے اور انہیں اپنے اپنے ماحول و مشاغل سے منقطع کرنے کے بعد اب ان کا یہ رویہ بالکل غلط ہے کہ ساتھیوں اور رفیقوں کے مشوروں کو بالکل نظر انداز کر کے صرف اپنی من مانی کرنے پر اصرار کریں اور ان کی جانب سے معمولی سے اظہارِ اختلاف اور ذرا سی تنقید پر استعفے کی دھمکیاں دینی شروع کر دیں۔ اسی سلسلۂ کلام میں جب انہوں نے عام ارکانِ جماعت سے خطاب کرتے ہوئے کچھ اس طرح کے الفاظ کہے کہ

"آپ لوگ چاہیں تو مولانا مودودی کے پاؤں پڑیں اور چاہیں تو ان کا دامن پکڑنے کی کوشش کریں لیکن میں ان کا گریبان پکڑ کر ان سے سوال کرتا ہوں کہ سب کو جمع کر کے اب وہ خود کہاں جانا چاہتے ہیں؟"

تو ظاہر ہے کہ اس کا اصل مفہوم صرف مولانا مودودی ہی سمجھ سکتے تھے!

یہ سلسلہ جاری ہی تھا کہ راقم الحروف سٹیج پر حاضر ہوا اور اس نے اولاً ان لوگوں کے طرزِ عمل پر اظہارِ حیرت کیا جن کے بارے میں اسے یہ معلوم تھا کہ وہ مولانا مودودی کے نقطۂ نظر سے شدید اختلاف رکھتے ہیں اور ان کے دلوں میں اب واقعتہً مولانا مودودی کے لئے کوئی احترام باقی نہیں رہ گیا ہے کہ وہ کس طرح اس قرارداد کی تائید میں تقریریں کر رہے ہیں۔ اس پر منتظمینِ اجتماع اور دوسرے لوگوں میں سے خصوصاً نعیم صدیقی صاحب نے شور مچایا کہ اس قسم کی باتیں اس موقع پر نہیں کہی جا سکتیں۔ جس کو بھی ایسی کوئی بات کہنی ہے وہ اس نشست میں کہے جو احتساب کے لئے مخصوص کی گئی ہے[1] ــــ مجبوراً میں نے اس بات کو یہیں چھوڑ کر ضابطے اور قاعدے کی بات پیش کی کہ:

---

[1] ظاہر بات ہے کہ اگرچہ میری اس تنقید کا براہِ راست ہدف وہ بزرگ ارکان جماعت تھے جو پالیسی اور طریقِ کار کے بارے میں وہی نقطۂ نظر رکھتے تھے جو میرا تھا لیکن اگر میری یہ بات برمحل دی جاتی تو اس سے اجتماع کا رخ بالکل تبدیل ہو جاتا۔۔۔ اور اتحاد و اتفاق کا سارا ملمع اسی موقع پر اتر کر رہ جاتا ــــ اور کیا عجب کہ پورے ڈرامے کا ڈراپ سین اسی وقت ہو جاتا ــــ لہٰذا لطف کی بات یہ ہے کہ اس موقع پر بزرگ اصحابِ اختلاف کی جانب سے مدافعت ان صاحب (نعیم صدیقی) نے کی جنہوں نے بعد میں خود اپنی تقریر میں انہیں امراضِ دماغی میں مبتلا قرار دیا ــــ

" یہ اجتماعِ ارکان اس غرض سے بلایا گیا تھا کہ ارکانِ جماعت پالیسی اور طریقِ کار کے بارے میں مختلف نقطہ ہائے نظر کا جائزہ لے کر آئندہ کے لئے اپنا لائحہ عمل طے کریں گے۔ اس اجتماع کی ابتدا کسی بھی شخص پر اظہارِ اعتماد کے ساتھ کرنا صحیح نہیں ہے کجا ان امیرِ جماعت پر جو از یومِ تاسیس تا امروز جماعت کی امارت کے منصب پر فائز رہے ہیں اور جماعت کے موجودہ طریقِ کار سمیت اس کی آج تک کی تمام پالیسی ان ہی کے ذہن کی تخلیق ہے۔ ان پر اظہارِ اعتماد کی قرارداد منظور ہو جانے کا مطلب یہ ہوگا کہ یہ اجتماعِ ارکان ان کی جملہ پالیسیوں کی بھی توثیق کر رہا ہے — پھر کسی مزید بحث و تمحیص کا جواز کیا باقی رہ جائے گا ؟ "

میری یہ بات اس وقت تو نقار خانے میں طوطی کی صدا ہو کر رہ گئی — اور میرے بعد پھر اظہارِ اعتماد سے بھرپور تقاریر کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ لیکن کچھ دیر بعد خود مولانا مودودی سٹیج پر آئے اور انہوں نے راقم الحروف کا نقطۂ نظر قبول کر کے قرارداد پر غور اور بحث کو ملتوی کر دیا۔

(جاری)

الحمد للہ! کہ اس شمارے میں تدبرِ قرآن کا مقدمہ ختم ہو گیا ہے اور سورۂ آلِ عمران کی تفسیر بھی۔ اللہ تعالیٰ کا مزید احسان اور فضل ہے، کہ اس کے ساتھ ہی تدبرِ قرآن کی جلدِ اوّل کی کتابت بھی مکمل ہو گئی ہے۔ یہ جلد مقدمے کے علاوہ تفاسیرِ سورہ فاتحہ، سورہ بقرہ اور سورۂ آلِ عمران پر مشتمل ہوگی اور ۲۲×۲۹/۸ سائز کے تقریباً نو سو صفحات پر آفسٹ میں طبع ہوگی —— ہم قارئینِ میثاق سے استدعا کرتے ہیں کہ وہ دعا فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ اب اس کی طباعت و اشاعت کے بقیہ مراحل کو سرعت سے اور بحسن و خوبی پورا کرا دے۔ دراصل اسی کے ہاتھ میں تمام امور کی باگ ڈور ہے اور اسی کی توفیق سے تمام مراحل طے ہوتے ہیں !!

" تذکرہ و تبصرہ " کے چھ صفحات کو عین وقت پر بعض وجوہات کی بنا پر پرچے سے نکال دینا پڑا۔ ضخامت کی اس کمی کو مارچ کے پرچے میں پورا کر دیا جائیگا۔ انشاءاللہ ——————

(مدیر)

——— قارئین کے خطوط

محترم ڈاکٹر صاحب

السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہ۔ امید ہے مزاج گرامی بخیریت ہوں گے۔ آپ نے میرے حقیر مضمون کو میثاق میں جگہ دے کر میرے حوصلے کو بڑھا دیا۔ شکریہ۔ انہی دنوں صادق صاحب سے ملاقات ہوئی۔ انہیں پہلے پتہ چلا تھا کہ میثاق میں میرا مضمون آ گیا ہے، انہوں نے بطور استہزا مبارکباد دی۔ خیر یہ تو جملہ معترضہ تھا۔ اب میں آپ کے حالیہ میثاق کے تذکرہ و تبصرہ پر کچھ لکھنا چاہتا ہوں۔ یہ ضروری نہیں ہے کہ آپ اسے من و عن تسلیم فرمائیں۔ اگر آپ کو پسند آئے تو آپ اسے ملحوظ رکھیں اور اگر ناپسند ہو تو نظرانداز کر دیں۔

خدا کے فضل سے آپ ڈاکٹر بھی ہیں اور ڈاکٹر کا کام یہ ہے کہ وہ بیمار کی بیماری سے لڑے، بیمار سے نہیں، اور یہ چیز آپ کو اور اہتمام کے ساتھ اختیار کرنا چاہئے اس لئے کہ ایک تو آپ داعی ہیں اور داعی حق کا کام یہ ہے کہ وہ اپنے مخاطب کے دل میں بات اتارنے کی کوشش کرتا ہے اور جب تک داعی کے لب و لہجہ میں اور عمل میں نرمی نہ ہو وہ اپنے مقصد میں کامیاب نہیں ہو سکتا۔ دوسری چیز یہ ہے کہ جہاں تک مجھے معلوم ہے آپ تحریک کو زندہ کرنا چاہتے ہیں اور وہ ان ہی لوگوں میں زندہ ہو سکتی ہے، لہذا آپ اگر محض حقیقت واضح کرنے پر اکتفا کریں اور جواب در جواب اور مناظرے سے اجتناب کریں تو آپ بآسانی اپنے مقصد میں کامیاب ہو سکتے ہیں۔ ظاہر بات ہے کہ اس طرح کی مناظرہ بازی سے کوئی مسئلہ حل نہیں ہو سکتا۔ آپ جو کام کریں اس احساس کے ساتھ کریں کہ یا خداوند عالم! پوری دنیا میں برسوں بعد ایک تحریک اٹھی تھی اور چند سال کام کرنے کے بعد اس کا یہ حشر ہوا کہ دعوت دین کو چھوڑ کر دنیوی سیاسیات کو اختیار کر لیا اور تحریک یکسر ختم ہے۔ میں آپ کو مشورہ دیتا ہوں کہ آپ محترم مولانا امین احسن اصلاحی صاحب کی کتاب ''دعوت دین اور اس کا طریق کار'' مطالعہ کرتے رہیں۔

میرا خط پڑھتے وقت دو چیزیں ملحوظ رکھیں۔ ایک تو میں تعلیم یافتہ آدمی نہیں ہوں، محض اردو اور وہ بھی معمولی لکھنا پڑھنا جانتا ہوں۔ دوم میری مادری زبان چونکہ پشتو ہے اس لئے میرے مضمون میں تواتر اور تواصل نہیں ہو گا اور اردو بھی صحیح نہیں ہے اس لئے غلطیاں ہوں گی، انہیں نظرانداز فرمائیں۔

احقر
سالم جان
پیر کالونی، کراچی

★

قیمت فی پرچہ ۷۵ پیسے۔
سالانہ زرمبادلہ ساڑھے سات روپے۔
مشرق پاکستان سے بذریعہ ہوائی ڈاک پندرہ روپے۔

★

ہندوستانی خریدار

مندرجہ ذیل میں سے کسی ایک جگہ رقوم ارسال کر کے ہمیں مطلع فرماویں:

۱ ۔ دفتر ماہنامہ الفرقان، کچہری روڈ، لکھنؤ
۲ ۔ دائرۂ حمیدیہ، سرائے میر، اعظم گڑھ